رہنمائے بیجاپور

(مختصر حالات شہر و تاریخی تذکرہ)

مصنف

ڈاکٹر کرشنا کولہار کلکرنی

رکن کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور

مترجم

ڈاکٹر محمد صبغۃ اللہ

رکن کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور

ناشر

حمید اے صفی

رجسٹرار کرناٹک اردو اکادمی، بنگلور

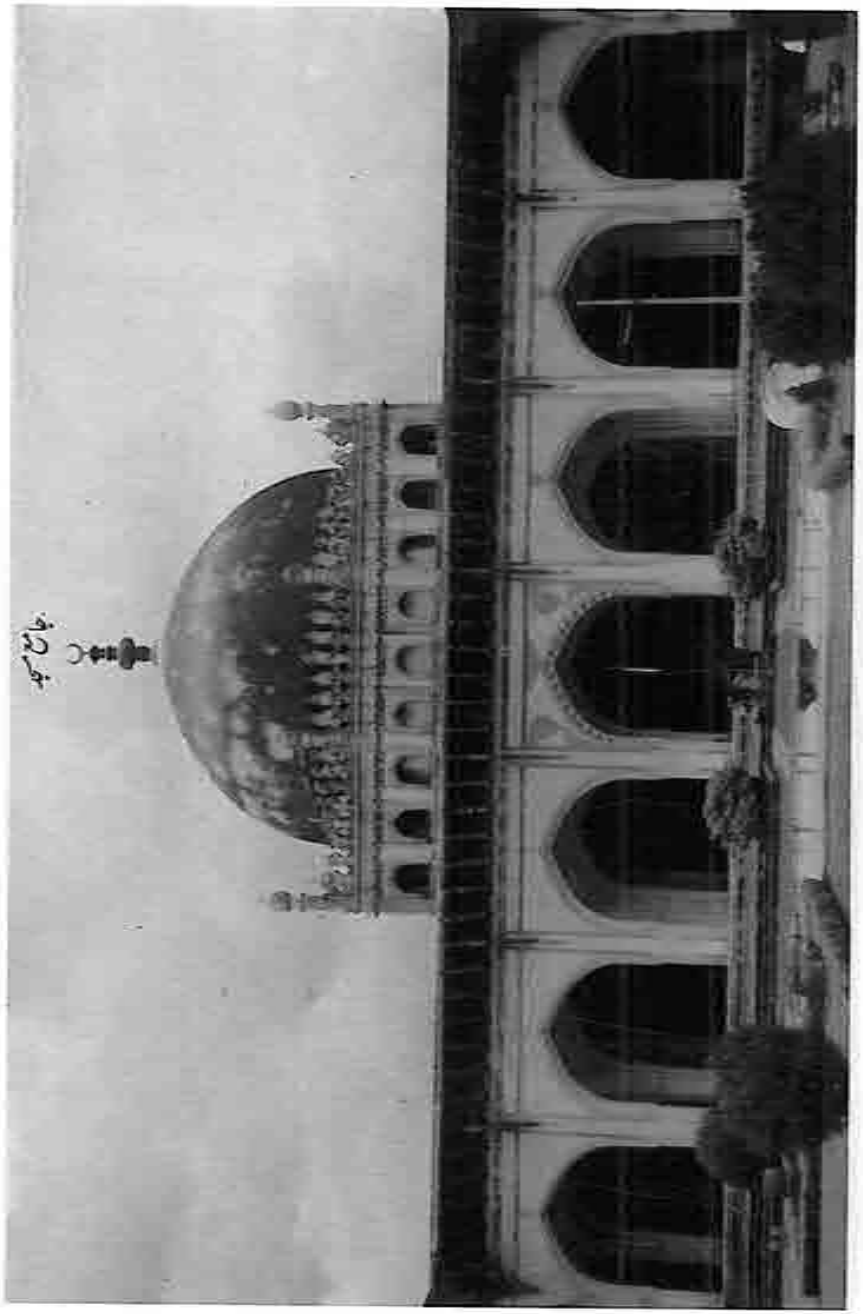

رہنمائے بیجاپور

(مختصر حالات شہر و تاریخی تذکرہ)

مع اولیائے بیجاپور

مصنف

ڈاکٹر کرشنا کولہار کلکرنی

رکن کرناٹک اردو اکادمی

مترجم

ڈاکٹر محمد صبغۃ اللہ

رکن کرناٹک اردو اکادمی

ناشر

حمید اے صفی

رجسٹرار کرناٹک اردو اکادمی

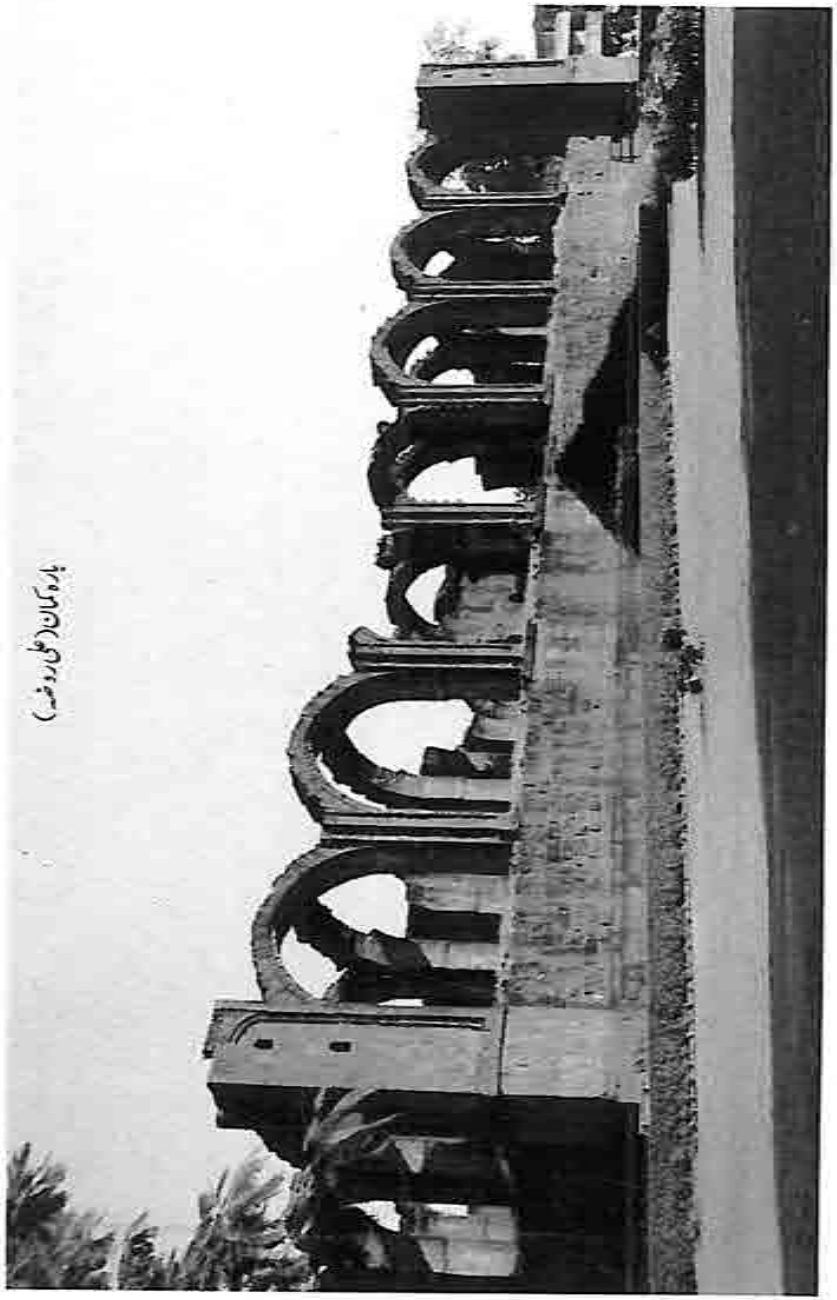

بارہ کمان (علی روضہ)

© کرناٹک اُردو اکادمی۔ بنگلور

کتاب کا نام : رہنمائے بیجاپور

مصنف : ڈاکٹر کرشنا کولہار کلکرنی

مرتب و مترجم : پروفیسر محمد صبغۃ اللہ

تعداد : 1000

سالِ اشاعت : 1999ء

قیمت : -/55

صفحات : 60+4

مطبع : سپیان پرنٹرس۔ بنگلور

کمپیوٹرائز : محمد متین الدین ندوی

ناشر : حمیدا ے صفی، رجسٹرار کرناٹک اُردو اکادمی،
14/3، کنر افائنانس کارپوریشن کامپلکس،
نرپتنگا روڈ، بنگلور 560 001

فہرست

حصہ اول

1) رہنمائے بیجاپور 2
(مختصر حالات شہر و تاریخی تذکرہ)
2) عادل شاہی سلطنت 9
3) ادب موسیقی و فنون لطیفہ کے 13
دلدادہ بادشاہ
4) بیجاپور عادل شاہی فن تعمیرات 21
(1) قلعے، خندقیں اور برج 23
(2) توپیں 25
(3) حیدر برج 26
(4) تورو ے پانی منصوبہ 27
(5) چاند باولی 29
(5) عبادت گاہیں 31
(1) کریم الدین مسجد 32
(2) جمعہ مسجد 33
(3) ملکہ جہاں بیگم مسجد 34
(4) انڈا مسجد 34
(5) مہتر محل 35
(6) محلات باغات اور ذیلی شہر 35
(7) شاہی قلعہ یا محلات کا ہجوم 37
(8) سات منزل 38
(6) مقابر 39
(1) ابراہیم روضہ 40
(2) گول گنبد 41
(3) عجائب گھر 43
(7) ضمیمہ I 47
ضمیمہ II 49

حصہ دوم

(8) اولیائے بیجاپور 50

رہنمائے بیجاپور مع اولیائے بیجاپور

کرناٹک اردو اکادمی کی جانب سے 2001-1996 کے درمیان تقریباً پندرہ کتابیں شائع ہوئیں۔ جن کی دیدہ زیب کتابت وطباعت نے اہل قلم سے داد تحسین حاصل کی ہے۔ زیر نظر کتاب "رہنمائے بیجاپور مع اولیائے بیجاپور" اس سلسلے کی کتاب ہے۔ بیجاپور، کرناٹک کا ایک اہم تاریخی شہر ہے جو عادل شاہی حکمرانوں کا نہ صرف پائے تخت تھا بلکہ اپنے شاہی محلات، تاریخی عمارتوں، خوبصورت باغوں، قلعوں، برجوں، عبادت گاہوں اور عادل شاہی بادشاہوں کے مقبروں کی یادگاریں لئے ہوئے ہے۔ جن میں اب کئی ایک کھنڈر بن کر اپنے عہد پارینہ کا ماتم کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود اب بھی چند ایک تاریخی عمارتیں اور آثار اپنی گزشتہ عظمت وحسن کے نقوش کی کہیں دھندلی، مبہم اور کہیں شاندار وجاندار جھلکیاں لئے ہوئے اپنے ان گنت سیاحوں کی نگاہوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہیں۔ اس اکادمی کے رکن کرشن کولہار کلکرنی نے کنڑ زبان میں ایک کتاب لکھی جس کا اردو میں ترجمہ پروفیسر محمد صبغۃ اللہ صاحب نے رہنمائے بیجاپور کے نام سے کیا ہے۔ جو زیر نظر کتاب کا حصہ اول ہے۔ حصہ دوم میں اولیائے بیجاپور کا تذکرہ ہے جس کو پروفیسر محمد صبغۃ اللہ صاحب نے مرتب کیا ہے۔ یہ دونوں اپنی جگہ اہم تحریریں ہیں۔ اس کتاب میں شامل خوبصورت تصویریں اس کی گواہی دے رہی ہیں کہ بیجاپور کسی زمانے میں "عالم میں انتخاب" شہر تھا۔ ابراہیم عادل شاہی ثانی کے درباری شاعر عبدل دہلوی نے بھی بیجاپور اور شاہان بیجاپور کے بارے میں ایک منظوم کتاب "ابراہیم نامہ" لکھی جس میں قدیم بیجاپور کے نام اور شاہان بیجاپور کے تاریخی کارناموں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کتاب کو پہلی بار پروفیسر مسعود حسین خان نے اپنے طویل مقدمے کے ساتھ مرتب کر کے شائع کیا۔ زیر نظر کتاب اور ابراہیم نامہ ملا کر پڑھنے سے بیجاپور کی ایک خیالی تصویر آنکھوں کے آگے آکر ہمیں بیجاپور کی سیاحت کا شوق دلائے گی۔ اولیائے بیجاپور نے ہندوستانی عوام کو محبت، اخوت، صلح جوئی اور امن وسکون سے مل جل کر رہنے سہنے کا پیغام دیا۔ اس پیغام کو یاد رکھنے کی آج بھی ضرورت ہے۔ اسی لئے تذکرہ اولیائے بیجاپور اس کتاب میں شامل ہے۔ مجھے امید ہے کہ کرناٹک اردو اکادمی کی اب تک شائع شدہ کتابوں کی طرح یہ کتاب بھی اپنے قارئین سے داد پائے گی۔

پروفیسر عبدالغفار شکیل

رہنمائے بیجاپور مختصر حالات شہر و تاریخی تذکرہ

پیارے سیاح!

آپ دنیا کے عجائبات میں سے ایک عمارت دیکھنے شہر بیجاپور آئے ہیں۔ ہم آپ کا تہ دل سے استقبال کرتے ہیں۔ یہاں کب کیسے اور کس طرح آسکتے ہیں ہم اس کے بارے میں بتادینا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ یہاں آکر آپ ان مقامات کے نظارہ سے لطف اندوز ہو سکیں۔ ماہ نومبر تا فروری اس سرزمین کی سیاحت اور محظوظ ہونے کے لئے بہترین موسم ہے۔ ریل کے ذریعے سے آنے والے مہاراشٹر کی سرحد ضلع سولاپور سے یا کرناٹک کے صنعتی شہر ہبلی گدگ کے راستے سے آسکتے ہیں۔ ہبلی گدگ کے طرف سے آنے والوں کو پہلے بادامی ملے گا یہاں چالوکیاؤں کے دور کے بہترے آثار ملیں گے ان سے مل کر بیجاپور آسکتے ہیں یا اگر سولاپور ہوتے ہوئے شمال کی طرف سے آسکتے ہیں۔ بنگلور چترد رگہ ہاسپیٹ ہوتے ہوئے جنوب کی طرف سے آسکتے ہیں۔ ریاستی شاہراہیں مہاراشٹر، گوا، آندھرا پردیش اور کرناٹک کے کئی راستے بیجاپور کو جوڑتے ہیں۔ سطح مرتفع دکن میں سمندری سطح سے تقریباً دو ہزار فٹ بلندی پر واقع شہر بیجاپور کو تشریف لانے کے لئے آپ نکل چکے ہیں۔

آپس کے تہذیبی اختلاف کے باعث دو سلطنتوں کو جنم دینے والا ضلع بیجاپور ہے اور ایسا علاقہ شاید سارے بھارت میں کہیں نہیں ملے گا۔ بادامی چالوکیہ (9 ویں صدی عیسوی) اور عادل شاہی (15 ویں صدی عیسوی) سلطنتوں نے یہاں جنم لیا۔ اپنے دور میں یہ مختلف تہذیبوں کے فنون وادب اور موسیقی اور نایاب فن تعمیر کی سرپرستی کرتا رہا، یہاں کے کھنڈرات، فن تعمیرات کے نادر نمونے جیسے منادر، مساجد، کوٹھیاں، محلات وغیرہ اس کا ثبوت ہیں۔ یہ سچ ہے کہ وہ بولتے تو نہیں لیکن سیاحوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر کے گذشتہ دور کی شاندار روایتوں کو پیش کرتے ہوئے حیرت میں ضرور ڈال

دیتے ہیں سیاحوں کے منہ ان مقامات کو دیکھ کر کھلے کے کھلے رہ جاتے ہیں۔

مَلپر بھا کے ساحل تک پھیلا ہوا وسیع پہاڑی سلسلہ، پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہو کر دیکھیں تو آئی ہوئے کے آنگن میں دور دور تک کھڑے ہوئے سینکڑوں منادر کے کھنڈرات دکھائی دیتے ہیں یہ نظارہ دیکھنے والوں کو خوشی تو عطا کرتا ہے لیکن ان کی بربادی کا دکھ جس کو الفاظ کا جامہ پہنایا تو نہیں جاسکتا ضرور ہوتا ہے۔ پٹد کل مندر کے حسن کو اگر دیکھنا ہے تو صبح کی نرم کرنوں کی روشنی میں ٹیڑھا میڑھا سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا راستہ اور اس کے دونوں طرف گھنے درخت اگر قدرت کے حسن کا نظارہ کرنا ہے تو اس کے درمیان جاکر لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔

بادامی کے پہاڑ پر کھڑے ہو جائیں تو چاروں طرف پتھر ہی پتھر دکھائی دیگا۔ ان پتھروں کے درمیان بنائے گئے غاروں کو دیکھ کر سیاح حیرت زدہ ضرور ہوتے ہیں۔ اور چالوکیاؤں کے تخیل کی داد دیتے ہیں 1500 سال قبل پتھروں میں بنائے گئے غاروں کے منادر اپنے بنانے والوں کی طاقت کا مظاہرہ کررہے ہیں اور ساری دنیا کے لوگوں کو اپنی طرف راغب کررہے ہیں۔

بیجاپور میں آپ کسی بھی رخ سے داخل ہونا چاہیں بیجاپور سے قریب دس بارہ کیلو میٹر پہلے سے ہی آسمان کی بلندیوں کو چھونے والا دنیا کا مشہور گول گنبد دکھائی دینے لگتا ہے۔ جیسے جیسے آپ شہر سے قریب آتے جائیں گے یہ خوبصورت اور عالی شان گنبد آسمان کی بلندیوں کو اپنے اندر سمیٹنے کی کوشش کرتا دکھائی دیگا۔ اس کے ساتھ ساتھ دکھائی دینے والا جامع مسجد کا گنبد اور ادھر نفیس کاریگری والا ابراہیم روضہ دکھائی دیگا۔ گاؤں کے قریب آتے ہی اسی قسم کے سینکڑوں چھوٹے بڑے گنبد دکھائی دیتے ہیں، یہی بیجاپور ہے۔

یہ گنبد، یہ مینار ضلع بیجاپور کے زندہ اور مشہور کھنڈر ہیں۔ صرف انہیں میں بیجاپور ضلع کی خصوصیت ڈھکی چھپی نہیں ہے یہ ہمالیہ جیسی بلند چوٹیوں کی حامل ضرور ہیں لیکن سہیادری کو چوٹیوں سے کچھ کم نہیں، ضلع کے ہر تعلقہ میں آپ کو 4 تا 8 سیاحی مرکز مل جائیں گے۔ اتنے سارے مراکز میں

کس کو اولیت دیں کس کو درگزر کریں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ جیسے بسونا کی پیدائشی جگہ بسون باگے واڑی ہے اور اس کے قریب انگلیشور کے منادر ہیں کہتے ہیں دریائے کرشنا، ملپر بھا کا کوڈل سنگما کا مندر تو روے کا لکشمی نرسمہا مندر، اپّل دنے کا سنگم ناتھ مندر و اطراف واکناف کے شیوالے ہتر گے کا کلمیشور مندر، شورپالی کا نرسمہا وغیرہ اس طرح ایک دو تو نہیں فہرست بڑھاتے جائیں تو بڑھتی ہی جائے گی۔

آج کا جو ضلع بیجاپور دکھائی دیتا ہے وہ اپنی ایک قدیم تاریخ کا حامل ہے۔ اس کی قدامت رامائن کے زمانے تک پیچھے کی طرف لے جائے گی یہ ونڈ کارنیہ کا ایک حصہ تھا اس ضلع کے قدیم تاریخی حوالے ملتے ہیں۔ آئی گپتا کا کہنا ہے کہ مشہور جغرافیہ نگار ٹالیہ کے فائلوں میں بادامی، کلکیری، مدگل، پٹدکل اور انڈی گاؤں کے حوالے ملتے ہیں۔ یہ مقامی حوالے یعنی چھٹویں صدی عیسوی کے بادامی اور اس کے اطراف واکناف کے کتبے، غار اور منادر وغیرہ کا ذکر بھی اس میں مل جاتا ہے۔

بادامی چالوکیہ کی سلطنت کی کہانی دراصل جے سمہا سے شروع ہوتی ہے لیکن اس سلسلہ میں پلکیشی اول 540ء ہی ایک ایسا راجہ ہے جس کا اولین حوالہ تاریخ میں پایا جاتا ہے۔ اس نے واتاپی کو چالوکیاؤں کی راجدھانی بنایا۔ اس کا جانشین پلکیشی دوم 906ء تا 942ء نے شمالی ہند کے طاقتور راجہ ہرش وردھن کو شکست دی اور آج بھی تاریخ میں ایک فاتح اور جانباز کی حیثیت سے جانا جاتا ہے اور یہ اتنا بڑا انعام ہے کہ آج تک جنوبی ہند کے کسی راجہ کو مل نہیں سکا۔ اس کے دور میں ہندوستان کی سیاحت پر آنے والا چینی سیاح ہیوینت سانگ نے کرناٹک کے عظیم سپوتوں کے عظمت کے گیت گائے ہیں اس سیاح نے اپنے تذکروں میں ان دنوں کی بڑی خوبصورتی سے مصوری کی ہے۔

چالوکیہ کے ہر فنکار نے اپنے فن میں ڈوب کر اپنے آقا کی طرح اپنے مادر وطن کا احسان ادا کیا ہے ان کی یہ کوشش تھی کہ ہر پتھر کی چٹان کو فن کا ایک نایاب نمونہ بنایا جائے یہی کوشش آج سیاحوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے میں کامیاب نظر آتی ہے۔

چالوکیہ سنگتراشوں کے تعمیر کردہ منادر ہندوستان کے دیگر مندروں کے لئے فن تعمیر کا

نمونہ بنے۔ اس وقت سے آج تک بیجاپور کو ہندوستانی منادر کے فن تعمیر کا گہوارہ کہا جاتا ہے۔ آج سارے بھارت میں جن کی عقیدت کے ساتھ تعریف ہوتی ہے ان میں چالوکیہ کے دور کے کاریگر، فنکار، سنگتراش، ماہرین فن اور فن تعمیر شامل ہے۔ فن تعمیر کے نقادوں نے انہیں مبارکبادوی ہے جنہوں نے ان منادر کی تعمیر میں اپنے فن کا مظاہرہ کیا جس کا دلکش نمونہ ان منادر کے مورتیوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

آئی ہولے اور اس کے اطراف واکناف میں تقریباً70 چھوٹے چھوٹے منادر ہیں۔ ان میں سے کئی منادر سنگتراشی کے گوناگوں جوہر کے حامل ہیں اور ماہر فن کی گواہی بنے کھڑے ہیں۔ لاڑ کھانہ، درگی گڈی، سوریہ نارائن، میگتی، ہُچملی اور کولتی کے منادر چند قابل ذکر تعمیرات ہیں۔ یہ ہندوستان کے مندر کے فن تعمیرات کے ابتدائی تجربات اور ارتقا کو ظاہر کرتے ہیں۔

بادامی کے غار، عالمی شہرت یافتہ ہیں۔ قلعہ کے بالمقابل پہاڑ پر بنائے گئے چار غاروں کی مورتیوں کو صبح کی پہلی کرنوں میں دیکھنے کا خوبصورت نظارہ ان کے درمیان پہاڑ کی چھاؤں کے درمیان مورتیاں ایسے معلوم ہوتی ہیں جیسے وہاں سے لطف اندوز ہو کر ناچ رہی ہوں اور یہ نظارہ بیان سے زیادہ دیکھنے کا ہوتا ہے۔ نایاب سنگتراشی کے نمونے کے علاوہ مذہبی میلان کے لئے بھی یہ ایک مثال ہے۔ ان میں سے پہلا غار شیوا کا ہے۔ دوسرا وشنوؤں کا ہے اور آخری غار جینوں کا ہے۔

اردھ ناریشور، مہشاسُر مردنی، اٹھارہ ہاتھوں والا رقص کرتا شیوا اور گنپتی کی مورتیاں عجوبہ ہیں۔ بالائے ستون دائرے، نقش اور مورتیاں بہت ہی نایاب قسم کی ہیں۔

پٹد کل میں تقریباً دس مندر ہیں۔ ان کی فن تعمیر کی شان و شوکت دیکھنے لائق ہے۔ دراوڑی فن تعمیر کے وروپاکشا مندر ان میں کافی اہم ہے۔

بادامی، پٹد کل، آئے ہولے کے چھٹویں صدی کے غاروں اور مندروں کے مجموعے سے باہر نکل کر شمال کی طرف بڑھیں تو اول الذکر آسمان کو چھونے والے گول گنبد کو دیکھتے ہی طبیعت حیرت زدہ رہ جاتی ہے۔ گول گنبد کا نظارہ کر کے بیجاپور کے نزدیک آئیں تو عادل شاہیوں کے متوسط دور کے

کھنڈرات کے مجمع میں آجاتے ہیں۔

شہر بیجاپور عادل شاہی دور میں دنیا کے چند بڑے شہروں میں ایک مانا جاتا تھا۔ یہ شہر عادل شاہیوں کا پایہ تخت رہا اس وقت اس کی آبادی دس لاکھ تھی۔ گزشتہ صدی کے ستر کی دہائی میں اس کی آبادی گھٹ کر12,938 ہو گئی پھر اس میں اور کمی واقع ہو کر11,000 ہوئی۔ اس حد تک آبادی گھٹنے کے بعد آج بیجاپور کی آبادی پھر سے بڑھ کر دو لاکھ سے زیادہ ہے۔

بیجاپور کی تاریخ کافی قدیم ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ رامائن کے زمانے میں دنڈاکارنیہ کا ایک حصہ تھا لیکن تاریخی اعتبار سے اس کے حوالے چھ قبل مسیح کے ملتے ہیں، وہ ہیں مصر کے مشہور جغرافیہ دان ٹالمیہ کے حوالے اس نے یہاں کے گاؤں کے نام گنوائے ہیں سلسلہ وار تاریخ کو دیکھا جائے تو چھٹویں صدی تک کی تاریخ نہیں ملتی۔ 6ء تا 9ء بیجاپور چالوکیاؤں کے قبضہ میں تھا۔ تاریخی حوالے اگر ٹھیک طور سے ملتے ہیں تو وہ کلیانی چالوکیہ کے دور حکومت میں، مشہور راجہ وکرمادتیہ VI،1023ء کے دور میں یہ دوسرا پایۂ تخت تھا۔ اس کا ثبوت کتبوں سے ملتا ہے۔ اس کے بعد کے دور کے بیجاپور سے متعلق بہت سے کتبے ملتے ہیں۔ کتبوں کے مطابق بادامی چالوکیہ کا ایک شخص مانڈلیکا نے شہر بیجاپور کی بناڈالی اور اس کا نام وجیاپور رکھا۔ ایک اور بیان کے مطابق اگر ہار بجن بلی کسی مانڈلی کا کی راجدھانی تھی تب اس کا نام بج پور ہوا۔ وہی ودیاپور، بیجاپور بھی ہے۔ 1199ء دیوگری کے یادوؤں کے آمشی کال کا پایہ تخت بھی تھا یہ ساری باتیں شاہی قلعہ میں پڑے سات آٹھ کتبوں سے معلوم ہوتی ہے۔ اس وقت بیجاپور بھی تردواڑی کا ایک ہزاروں حصہ تھا۔

یہاں کے نرسمہا مندر کو کئی مانڈلیکروں نے اوقاف عطا کی ہیں۔ نرسمہا مندر دراصل خوبصورت فن تعمیر کی ایک بے نظیر عمارت ہے لیکن بد قسمتی سے کتوں اور سوروں کی جائے پناہ بن گئی ہے۔ میدان میں کھڑے ستونوں پر گنپتی، گج لکشمی، گوپال کرشنا وغیرہ ۱۲ویں صدی کے نایاب سنگتراشی کے نمونے ہیں۔

1312ء میں یادووں کی یہ ریاست مسلمانوں کے قبضہ میں آئی۔ کریم الدین ابن ملک کافور ویجاپور کا پہلا گورنر بن کر آیا۔ اس نے جو مسجد تعمیر کی وہ ویجاپور کے مسلم فن تعمیر کا اولین نقش ہے۔ ظاہرا مسجد جیسی عمارت تو نظر نہیں آتی بلکہ چالوکیاؤں کے عمارتوں سے ملتی جلتی عمارت ہے۔

ایک فرضی کہانی کے مطابق گجگن بلی، بجگن بلی، چندن کیری، کیادگی، کاترکیری، گربن ہٹی اور کجن کٹے نامی سات قریوں کو ملا کر بجن بلی بنا۔ رفتہ رفتہ تہذیب یافتہ دور تک پہنچتے پہنچتے اس لفظ نے بجن بلی، مختلف روپ بدل کر ودیاپور، وجیاپور، ویجاپور سے آخر میں بیجاپور کی شکل اختیار کی ہوگی۔ مذکورہ بالا سات قریوں کو ملا کر ایک بنایا گیا کب اور کیوں؟ اس کا کوئی حوالہ نہیں ملتا۔ ایک کتبہ 75-1074ء میں بجن بلی کا حوالہ ملتا ہے جو آدھا سنسکرت اور آدھا کنڑا میں ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سویمبھ سدیشور مندر کو بجن بلی کی زمین خیرات میں دی گئی ہے۔ اس کتبہ میں وجیاپورا اور بجن بلی کا الگ الگ تذکرہ ہے جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان دونوں گاؤں کا الگ الگ وجود تھا۔

۱۴ویں صدی کے شروعات میں دیوگری کے یادووں کو مسلمانوں نے شکست دے کر دہلی کی حکومت میں شامل کرلیا۔ اس یادو ریاست کے تردواڑی 1000 ویجاپور کے اس علاقے کو 1312ء میں کریم الدین گورنر بن کر آیا پھر اگلے چند دنوں میں جنوبی ہندوستان کے بہت سارے مسلمان یہاں آباد ہونے لگے۔ محمد بن تغلق کے دور حکومت تک سارا جنوبی ہندوستان مسلمانوں کے قبضہ میں آگیا۔ چند ہی دنوں میں بد نظمی کے باعث سردار بغاوت پر آمادہ ہوئے اور خود مختاری کا اعلان کرنے لگے سب سے پہلی بغاوت بنگال میں ہوئی اس کے اگلے ہی سال 1335ء میں جنوبی ہند کے آخری علاقے سرے مابار میں سلطان جلال الدین آشن خان نے بغاوت کی خود مختاری کا اعلان کیا جنوبی ہند کی یہ پہلی مسلم حکومت تھی۔

اس نئی ریاست کی بنیاد نے درمیانی علاقے میں رہنے والے ہندوؤں کو اپنے وجود کے بارے میں یہ سوچنے پر مجبور کردیا کہ انہیں مسلمانوں کے زیر حکومت رہنا ہے یا بغاوت کرکے اپنی ایک آزاد ہندو ریاست قائم کرنی ہے۔ دونوں باتوں میں سے ایک کا فیصلہ تو کرنا ہی تھا جس کے نتیجہ میں اگلے سال

1336ء میں کمپلی کے گورنر سنگم خاندان کے ہری ہرا نے بغاوت کردی اور اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا۔ تنگبھدرا کے ساحل پر ایک نئی ہندو ریاست کی بنیاد ڈالی گئی جو آگے چل کر سلطنت وجیہ نگر کے نام سے جانی جاتی ہے۔

جنوب کے آخری سرے میں مابار (مدورے) میں مسلمانوں کی حکومت، درمیان میں ہندو راجاؤں کی سلطنت وجیانگر جس کے باعث تنگبھدرا کے شمال سے دہلی تک کے درمیان ایک بہت لمبا فاصلہ ہوگیا اور یہاں ایک اور نئی ریاست کے لئے موقع ابھر آیا۔ اگلے دس سالوں میں 1346ء میں دیوگری بھی آزاد ہوگیا۔ بہمنی سلطنت کی بنیاد پڑی۔ گلبرگہ اس کا پایہ تخت بنا۔

اس سے قبل دہلی انتظامیہ کا ایک صوبہ بیجاپور کچھ تبدیلیوں کے ساتھ بہمنی سلطنت کا حصہ بن گیا اور اس کو علاقائی سطح کا پایہ تخت مانا گیا 150 سالہ دور حکومت میں بہمنیوں نے کئی نشیب و فراز دیکھے۔

۱۵ویں صدی کے اواخر میں بہمنی سلطنت کا پایہ تخت بیدر تھا۔ محمود گاواں جیسا مدبر ماہر سیاستدان، جواں مرد اور بہادر اس ریاست کے وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز تھا۔ اندرونی خلفشار اور سازش کی بنا 1471ء میں اسے قتل کردیا گیا۔ محمود گاواں کے زوال کے بعد بہمنی سلطنت فسادات کا شکار بن گئی۔ اندرونی سازشوں اور خلفشار جب انتہا کو پہنچے تو احمد نگر کے گورنر بھیری نظام شاہ نے بہمنی سلطنت کے خلاف بغاوت کردی اپنی آزاد اور خود مختار نظام شاہی حکومت کا اعلان کیا۔ ان دنوں بیجاپور میں ترکی النژاد یوسف خاں گورنر تھا۔ اس نے بھی نظام شاہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے 1489ء میں عادل شاہی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

عادل شاہی سلطنت: 1489ء تا 1686ء

گورنر یوسف خاں نے بادشاہت کے اعلان کے بعد یوسف عادل خاں کا لقب اختیار کیا۔ سہیادری پہاڑیوں کے درمیان ایک قلعہ میں آزاد و خود مختار حکومت کرنے والے مکندراؤ نامی مرہٹہ سردار کو شکست دے کر اس کی بہن سے شادی کرلی۔ یہ بیان مشہور مؤرخ محمد قاسم فرشتہ کا ہے جو ابراہیم عادل شاہ دوم کا درباری مؤرخ تھا۔ بیجاپور عادل شاہی سلطنت کی ہمعصر تواریخ میں اس کی تصنیف کردہ "گلشن ابراہیمی یا بھارت میں مسلمانوں کی حکومت" نامی کتاب اہم بنیادی تاریخ ہی بن گئی۔

یوسف عادل خاں کی نسل نے تقریباً دو صدی تک بیجاپور پر حکومت کی۔ 'عادل' فارسی لفظ ہے جس کے معنی ہیں انصاف۔ یوسف کی بیوی (مکندرایا کی بہن) کے اصل نام کا پتہ تو نہیں چل سکا۔ لیکن شادی کے بعد اس کا نام بُوبُو جی خانم رکھا گیا۔ یوسف خاں نے بیجاپور میں اپنی خود مختار سلطنت تو قائم کرلی لیکن تخت نشینی کا جشن نہیں منایا۔ کیونکہ بہمنی سلطنت ابھی زندہ تھی۔ 1529ء تک ان سلطانوں نے اپنے ناموں کے سامنے شاہ کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ خاں ہی بنے رہے جس کا ثبوت مختلف کتبوں سے ملتا ہے۔

یوسف خاں نے جب اپنی آزادی و خود مختار حکومت قائم کی تو اس وقت تنگبھدرا کے ساحل کی وجیانگر سلطنت اپنے عروج پر تھی۔ سیاسی، سماجی اور مذہبی میدان میں اپنی خصوصیات کے ساتھ مغرور و متکبر نظر آتی تھی۔ ادب، سنگتراشی، موسیقی وغیرہ نے بھی اس دور میں کافی ترقی کی۔ اسی دور میں ایک متبادل مغلوں کی حکومت شمال میں موجود تھی۔ بیجاپور نے آزادی کا اعلان تو کردیا تھا لیکن اس کی حیثیت ایک چھوٹی سی مملکت کی تھی۔ یوسف 1489ء تا 1501ء اس کا بیٹا ابراہیم 1510ء تا 1534ء اس کا پوتا ابراہیم اول 1534ء تا 1557ء کے دور تک جب تب پڑوسی شاہی ریاستوں کے آٹھ دس قریوں کے لئے مڈبھیڑ ہو جاتی، کبھی کبھی وجیہ نگر سے چھیڑ چھاڑ کر کے ایک قلعہ جیتتے یا ہارتے، اسی میں انہیں تشفی ہو جاتی، لڑائی جیتنے پر مال غنیمت لوٹ کر بیجاپور کا خزانہ بھر لیتے۔

پون صدی یا تقریباً 75 سال اسی طرح لنگڑاتے عادل شاہی مملکت نے اپنا مقدر جگایا۔ رکسک تنگوڈی کی گھمسان جنگ 1565ء میں سبھی شاہی خاندان متحد ہو کر وجیہ نگر کے راجا کو شکست فاش دی۔ الیہ رام رایا میدان جنگ میں مارا گیا۔ اس جنگ کا ہیرو بیجاپوری عادل شاہی خاندان کا چوتھا (حقیقت میں پانچواں) بادشاہ علی عادل شاہ اول 1580-1557ء در حقیقت عادل شاہیوں کا عروج اسی دور میں ہوا۔ اب تک عادل شاہی حکومت دریائے کرشنا ومل پربھا کے درمیان محدود تھی۔ لیکن اس جنگ کے بعد اس کی سرحدیں کونکن سے کرشنا اور دریائے تنگبھدرا کے سنگم کے علاقے تک بڑھ گئیں۔ زرخیز علاقوں کے حاصل ہو جانے سے اور وجیہ نگر کے زوال کے بعد لاانتہا دولت مال غنیمت میں حاصل ہو جانے کی بدولت بیجاپور نے آئندہ چل کر شاندار ترقی کی۔

بقیہ 120 سال کے دورِ حکومت میں چار بادشاہ تھے۔ پہلا تھا علی عادل شاہ کے بڑے بھائی کا بیٹا ابراہیم عادل شاہ دوم 1626-1580ء اس کا بیٹا محمد عادل شاہ 1656-1626ء اس کے دور حکومت میں عادل شاہی مملکت سلطنت بن کر عروج پر پہنچی 1656ء میں رود کرشنا تا تنگبھدرا کے سنگم تک عادل شاہی سلطنت پھیلی ہوئی تھی۔ محمد کے بیٹے علی عادل شاہ ثانی کے دور میں 1672 - 1656ء عادل شاہی سلطنت کا زوال شروع ہوا اس کے بیٹے سکندر عادل شاہ 1686-1672ء کے دور میں 1686ء میں بیجاپور پر اورنگ زیب نے قبضہ کرلیا اور بیجاپور دہلی کی مغلیہ سلطنت کا ایک حصہ بن کر رہ گیا۔ 1686ء میں بیجاپور پر قبضہ حاصل کرنے کے بعد تین سال کی مدت تک اورنگ زیب یہیں مقیم رہا۔ اس وقت پلیگ کی بیماری سے تقریباً ایک لاکھ افراد کی موت واقع ہوئی۔ سیاسی تبدیلی کے باعث کئی لوگ بیجاپور سے ہجرت کر کے اطراف واکناف کے علاقوں میں چلے گئے۔ بعد از پلیگ واپسی اورنگ زیب کے وقت یہاں کی آبادی 9 لاکھ 54 ہزار تھی۔ 1710ء میں قحط سالی کے باعث آبادی میں اور کمی واقع ہوئی۔ 1717 میں بیجاپور دوبارہ قحط سالی کا شکار ہوا جس کے باعث بیجاپور کا تقریباً مکمل صفایا ہو گیا۔

عادل شاہیوں کے زوال کے بعد بیجاپور 1725 تک مغلوں کے ماتحت رہا پھر حیدر آباد کے

انتظامیہ میں چلا گیا۔ اسی سال حیدر آباد کے نظام الملک نے خود مختاری کا اعلان کیا۔ 1760ء میں مرہٹوں نے بیجاپور پر قبضہ کر لیا بالاجی پیشوا نے اپنا گورنر روانہ کیا۔

1818ء میں پیشوا کے زوال کے بعد بیجاپور پر ستارا کے راجا نے قبضہ کر لیا۔ اس کے کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی۔ 1848 میں ستارا کے راجا چھترپتی شاہ کے انتقال کے باعث یہ سارا علاقہ انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ جنہوں نے بیجاپور کو ستارا ضلع کا ایک قریہ بنادیا۔ انتظامی نقطہ نظر سے ستارا ضلع کے بیجاپور قریہ کو 1862 میں سولاپور کو تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے اگلے سال کلادگی ضلع کی تباہی پر بیجاپور تعلقہ بن کر کلادگی ضلع میں شامل کر دیا گیا۔ بیجاپور کی وسیع و عریض مگر ویران عمارتوں کو دیکھ کر اس دور کے جنوبی حصہ کے سپرنٹنڈنٹ انجینئر سینٹ کلیر ولکنس نے 1876ء میں شہر بیجاپور کو ضلع کا درجہ دینے کی سفارش کی۔ اعلیٰ عہدیداروں نے اس کی سفارش قبول کرتے ہوئے یہاں کی قدیم عمارتوں کی مرمت کی اجازت دی۔ نو سال بعد پھر یہ ضلع بنا آخر کار 1885ء میں اسے ضلع کا صدر مقام بنایا گیا۔ بہت سی عمارتیں ضلع انتظامیہ کے دفاتر بنے، ضرورت کے لحاظ سے ان عمارتوں کو رنگ و روغن نصیب ہوا۔ اس کے علاوہ وہاں کے مقیموں کے ارادوں کے تحت ان میں تبدیلیاں بھی آئیں۔

محمد عادل شاہ کا بنایا ہوا عدالت محل، ضلعی افسر کا رہائشی مکان بنا۔ محمد عادل شاہ کا تیار کردہ عرش محل، سول سرجن کی رہائش گاہ بنی، آنند محل پہلے نائب ضلعی افسر کی رہائش تھی لیکن اب ضلع پنچایت کا دفتر ہے۔ شاہی قلعہ کی فاروق محل کی عمارت کے ہجوم میں گودام، یا چینا محل نامی جنوب مغربی سمت والا حصہ ضلع افسر کا دفتر، عدالت اور ضلع پولیس کے اعلیٰ افسروں کے دفاتر بنے شاہی قلعہ کے جنوب سے کچھ فاصلہ پر ایک اور چینا محل کو ضلع پولیس کے اعلیٰ افسر کی رہائش میں تبدیل کر دیا گیا۔ بقیہ قابل استعمال سرداروں اور صوبیداروں کی کوٹھیوں کو افسران کی رہائش میں تبدیل کر دیا گیا۔ اورنگ زیب عالم گیر کا عید گاہ ضلع پولیس ہیڈ کوارٹر بنا۔ مصطفیٰ خاں کی آرامگاہ کو جیل میں تبدیل کر کے اس کا نام درگاہ جیل رکھا گیا۔ یاقوت دابولی، عادل شاہی دور کے انجینئر کی رہائش آج مسافر خانہ بن گئی ہے

(پرانا آئی بی) اس طرح تبدیل شدہ شہر بیجاپور، ضلع کے صدر مقام بننے سے پہلے ہی 1854 میں ہی مونسپل کونسل کے قبضہ میں آچکا تھا۔ اسی سال آنے والی پہلی سولاپور ریلوے لائن بیجاپور کے درمیان سے گزرتی ہے تو اس طرح سے ریلوے کے آجانے سے بیجاپور کا رابطہ شمال اور جنوب سے جڑ جاتا ہے۔ اب تک بیجاپور برٹش ممبئی ریاست کا ایک حصہ تھا۔ 1956ء میں جب لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل عمل میں آئی تو یہ ریاست میسور یا کرناٹک میں شامل ہو گیا۔ 11 تعلقوں کا حامل ضلع بیجاپور ریاست کرناٹک کے بڑے اضلاع میں شمار کیا جاتا ہے۔ 1997ء میں اس کو بانٹ کر دو ضلعے بنائے گئے۔ بیجاپور اور باگل کوٹ، بیجاپور ضلع میں پانچ تعلقہ شامل ہیں۔ بیجاپور، سندگی، انڈی، مدّے بہال اور بسوَن باگے واڑی بیجاپور پانچ تعلقوں کا ضلعی مرکز ہے۔

یہ تھی بیجاپور کی مختصر سی تاریخ۔ اب بیجاپور کے بادشاہوں کی ادبی سرپرستی، موسیقی اور فنون لطیفہ کے بارے میں چند باتیں بتائی جارہی ہیں۔

ادب موسیقی وفنون لطیفہ کے دلدادہ بادشاہ

بیجاپور کے بادشاہ اور چند بیگمات ادب کے دلدادہ تھے۔ موسیقی میں دلچسپی رکھتے تھے فنون لطیفہ اور فن تعمیرات میں ان کی خاص دلچسپی دکھائی دیتی ہے۔

بیجاپور کے عادل شاہی بادشاہ تو جوانمرد تھے ہی اس کے علاوہ ادب موسیقی کے سرپرست بھی خود شاعر ادیب موسیقار اور فن کار بھی تھے۔ مختصراً یوں کہا جاسکتا ہے کہ وہ صاحب سیف و قلم تھے۔ عادل شاہی سلطنت کا بانی یوسف عادل خاں نہ صرف شعر وشاعری کا دلدادہ تھا بلکہ وہ خود بھی شاعر تھا۔ اس نے مختلف اصناف سخن میں آزمائی کی تھی۔ فارسی کے مشہور شعراء وادباء کو بیجاپور مدعو کیا۔ یوسف عادل خاں موسیقی کا دلدادہ وماہر بھی تھا۔ وہ خود اپنے بارے میں کہتا ہے کہ "موسیقی میں اس کی دلچسپی اور ماہرانہ طرز ہم عصر موسیقاروں سے بہتر ہے۔ خود اس نے الگ الگ ترانوں کے لئے طرز یاد ھنیں بھی تیار کیں"۔ اس کی اپنی اصناف سخن کو وہ خود گایا کرتا تھا۔ یہ فرشتہ کا بیان ہے وہ تنبور اور اُدا نامی آلہ موسیقی کا ماہر تھا۔ ایک اور مؤرخ بشیر الدین احمد کا بیان ہے کہ "اس کے دربار میں مختلف موسیقار تھے۔ ان میں استاد گیلانی اور حسین کاجیونی دونوں مشہور گایک تھے۔ ہمیشہ یوسف کے ساتھ رہا کرتے۔ ان کی ہر غزل گائیکی کے لئے چھ ہزار ہنس (اشرفیاں) دئے جاتے۔ حسین کاجیونی، کانن، نامی آلہ موسیقی بہت اچھی طرح بجاتا تھا"۔

یوسف بن اسمٰعیل بھی شاعری و موسیقی میں محو رہتا تھا۔ تاریخ کے اوراق کے علاوہ اس کے چند ہم عصر رنگین تصاویر بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔ ایک تصویر میں اسماعیل عادل خاں کو ستار بجاتے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس کو ترکی موسیقی میں زیادہ دلچسپی تھی۔

اسماعیل بن ابراہیم اول کے دور میں دکھنی ادب کو شاہی سرپرستی حاصل ہوئی۔ اس دور میں دین کی تبلیغ کے لئے آنے والے صوفی میراں جی نے دکھنی زبان میں کئی کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں

مثنوی خوش نامہ نے کافی شہرت حاصل کی۔ خوش ایک عابدہ وزاہدہ کا نام ہے۔ خوش کے معنی خوشی اور تسلی بخش کے ہیں۔ اس خوش کی تاریخ ہی خوش نامہ مثنوی کا موضوع ہے۔ اس مثنوی میں اس دنیا کی نیرنگیوں کی تصویر کھینچتے ہوئے شاعر کہتا ہے۔

ایکس مائی مولی دیوے ایکس مائی باجا
کیتو بھیکا مانگا وے کیتو دیوے راجا

یعنی اس ایک ہی زمین سے پیدا ہونے والے ایک بھیک مانگتا ہے تو ایک حکومت کررہا ہے۔ اس طرح کی کئی ایک مثالیں دیتے ہوئے یہ بتاتا ہے کہ یہ تفریق خود خدا نے بنائی ہے۔ کہتے ہیں اس کی طاقت کرتم نبہ تھا کرتم جیسے ہے۔ یہ انداز ہندوستانی فلسفہ کے بنیاد سے ہے اس کے بارے میں زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

ابراہیم اول بن علی عادل شاہ اول سنیاسیوں کی طرح لباس پہنتا تھا۔ فرشتہ کا بیان ہے کہ ہندو سنتوں اور مسلم صوفیاء کے ساتھ لگاتار رہنے کے باعث فقیروں کی طرح رہتا تھا۔ اس کی بیوی چاندبی بی مشہور فنکارہ وشاعرہ تھی۔ اس کی نگرانی اور پس منظر میں پرورش پانے والا ابراہیم عادل شاہ دوم تھا۔

ابراہیم عادل شاہ دوم بہت خوبصورت تھا اور اعلیٰ خصوصیات کا حامل بھی۔ عدل وانصاف میں لاثانی، بہادر، کسانوں اور عوام کے مسائل کو سمجھنے والا، عالموں، فاضلوں کو انعام واکرام سے نوازنے والا، سادھو سنتوں خاص کر سنی مسلک کے صوفیاء کی بہت قدردانی کرنے والا۔ ان خصوصیات کی بنا دنیا کے کونے کونے سے لوگ ابراہیم کی مہربانیاں حاصل کرنا چاہتے تھے۔ اس کے دور حکومت میں اعلیٰ درجے کے صوفی سنت اور قدیم روایات کے آٹھ دس کنبے بیجاپور آئے اور یہیں پر دفن ہوئے۔ ان کی درگاہوں کی آج بھی مختلف ذات پات کے لوگ دیکھ ریکھ کررہے ہیں۔

اس کے دربار میں کئی شعراء تھے۔ ان میں ملا ظہوری سب سے اہم شاعر تھا۔ اس زمانے میں اس کی شاعری کی شہرت نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ایران وغیرہ ملکوں میں بھی تھی۔ اس نے اپنی

شاعری میں ابراہیم کو بہت سراہا ہے۔ گلزار ابراہیم اس کا شہکار کارنامہ ہے۔ اس کی تکمیل پر شاہی خزانے سے چار اونٹوں کے وزن کے برابر کا سونا اسے نذرانہ دیا گیا۔

ایسی سرپرستی کے باعث ابراہیم کے دربار میں کئی فی البدیہہ شعرا جمع ہوگئے۔ اسی طرح اعلیٰ ادیب بھی۔ اس کا درباری مؤرخ محمد قاسم فرشتہ نے مشہور عالمی تاریخ "گلشن ابراہیم یا تاریخ فرشتہ" تصنیف کی۔ اس کا خزانچی میر رفیع الدین شیرازی نے اپنے تجربات تصنیف کئے اور بادشاہِ وقت سے انعام واکرام حاصل کیا۔ ابراہیم ادب، موسیقی اور فنونِ لطیفہ کا سرپرست تھا وہ خود شاعر و موسیقار اور مصور بھی تھا۔

ہندوستان کی تاریخ میں نو راستوں کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ انہیں نورس کہا جاتا ہے۔ اس لفظ 'نورس' نے ابراہیم کو جیسے پاگل بنادیا تھا۔ اسد بیگ نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے کہ جب وہ اپنی سفارت ختم کر کے واپس جارہا تھا تو ابراہیم نے اکبر کو تحفہ میں چند چیزیں روانہ کیں جس کی تفصیل یہ ہے۔ 1) نو ناریل۔ 2) نو کھن۔ 3) ایک نورس سونا (جو نو معمولی سونے کے برابر ہوتا ہے)۔ 4) نو معمولی اشرفیاں۔ 5) نو لیاری (ایک اور سکہ کا نام۔ 6) نو ابراہیم نامی ایک سکہ روانہ کیں۔ کھن اور ناریل ہندو مذہبی روایات کی چیزیں ہیں۔ نورس سکہ پر فارسی میں، "نورس مہر عادل شاہی جگد گرو دادالٰہی" کندہ تھا۔ جگد گرو خطاب تو بھارت کی دین ہے۔ دادالٰہی کے معنی ہیں مالک کی عطا کردہ۔

ابراہیم کو جگد گرو کا خطاب کس نے دیا اس کو یقینی طور سے بتانے کے لئے کوئی حوالے نہیں ملتے لیکن اسے جگد گرو کے نام سے یاد کرنے والے کئی فارسی و ہندوستانی اشعار تاریخ میں حوالے کے طور پر ملتے ہیں۔ عبداللہ دہلوی، ابراہیم نامہ میں کئی جگہ ابراہیم کو جگد گرو کہہ کر ہی مخاطب کیا ہے۔

دکھن دیس میں شہ جگت گرو ہے ناؤں
ودیاپور نگر اس رہن ہے جو ٹھاؤں

ایک اور شاعر ملا نصرتی نامی شاعر نے اپنی مثنوی "گلشن عشق" میں

تیرے جد کو عالم جگت گرو کہے
پدر سے سو تیرے بہادر کہے

کہا ہے، اسی کا لکھا ہوا علی نامہ مثنوی میں بھی جگد گرو کا حوالہ ملتا ہے ہم عصر چند خطوط میں ابراہیم سے مخاطب کرتے ہوئے جگد گرو کا خطاب استعمال ہوا ہے۔ پونا کے ہندوستانی تاریخ و تحقیق انجمن کے ایک عالم نے اس صدی میں اس طرح کے مختلف مراٹھی فارسی خطوط جمع کئے ہیں ان میں چند جمع خطوط کو شائع کیا ہے۔ مشہور عالم مرحوم راجواڑے کے جمع شدہ خطوط کو راج واڑے کھنڈا نام دیا گیا ہے اس کی مختلف جلدیں شائع ہوئی ہیں راجواڑے کھنڈا 15 میں ایک حوالہ دیا گیا ہے جس میں ابراہیم کو جگد گرو نام سے مخاطب کرنے کی وضاحت کی گئی ہے کہ یہ عرف ثابت کرتا ہے کہ یہ نام عوام میں مشہور ہونے کے علاوہ اس کی عادلانہ خصوصیات کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ وہ ساتار ضلع کے ماسور قریہ پٹیل کے موضوع سے متعلق ہے۔ پٹیل کے عہدہ کے لئے جھگڑا ہوا تھا۔ اور یہ مسئلہ ابراہیم کے سامنے پیش ہوا تھا تو ابراہیم جگد گرو نے مدعی و مدعا علیہ دونوں کو اورنگ آباد ضلع پیٹھن کے دھرم پیٹھ کو یہ کہلا بھیجا کہ "حضور ہی بادشاہ جگد گرو یعنی فسانون فرمان کروں دل وہا" ہندو مذہب کے لوگوں کی انصاف ہندو دھرم پیٹ میں ہی ہونی چاہئے۔

ابراہیم کو موسیقی سے جنونی حد تک لگاؤ تھا۔ یہ بات اس کی کتاب کتابِ نورس سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے بارے میں زبیری، 'بساطین السلاطین' میں یوں کہتا ہے۔ "ہر ماہ کے پہلی جمعرات کو پایۂ تخت میں 'عید نورس' منائی جاتی۔ اس دن شہر میں مختلف قسم کے پروگرام ہوتے"۔ دربار کے مخصوص گائیک، موسیقار اور رقاص کو لشکر نورس نام دیا گیا تھا۔ اس لشکر میں شامل ہونا باعث فخر سمجھا جاتا جس کی آرزو اچھے خاندان اور نامور لوگوں کے دلوں میں بھی ہوتی۔ سلطنت کے مشہور گائیک، گائیکی، ماہر موسیقی، رقاصائیں اور رقاص عید کے دن بادشاہ کے دربار میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے۔ ان واقعات کی تفصیل زبیری اس طرح بیان کرتا ہے۔ بادشاہ کو بچپن ہی سے گانے کی عادت اور شوق تھا اسی لئے اس

فن میں وہ ماہر تھا۔ اس زمانے میں بادشاہ کے سامنے اپنے فن کا مظاہرہ کرنے میں بڑے بڑے گانے والے، رقص کرنے والے ہچکچاہٹ محسوس کرتے تھے۔ کیونکہ بادشاہ فن موسیقی کا ماہر تھا اور یہ بات سارے زمانے میں مشہور تھی۔

اس موضوع پر ہم عصر سیاسی سفیر اسد بیگ اپنے "واقعات اسد بیگ" میں واقعات بیان کئے ہیں۔ ایک واقعہ یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ روایتی بات چیت کے بعد بادشاہ نے اکبر بادشاہ کے فن موسیقی کی دلچسپی کے بارے میں دریافت کیا کہ دربار میں گاتے وقت گائیک بادشاہ کے روبرو بیٹھ کر گاتے ہیں یا کھڑے ہو کر؟ جواب میں اس نے بتایا کہ کئی موقعوں پر کھڑے ہو کر ہی گاتے ہیں، تو ابراہیم نے کہا کہ "یہ تو غلط ہے اور سرسوتی سے غداری کے موافق ہے"۔

گائیکوں میں تین قسم کے لوگ تھے، پہلا حضوری، دوسرا درباری اور تیسرا شہری۔ دن رات بادشاہ کی صحبت میں رہ کر موسیقی میں ماہرانہ پن حاصل کرنے والے حضوری ان کے بعد گائیکی میں مہارت حاصل کردہ لوگ تھے لیکن حضوری کے برابری کرنے والے درباری نہیں تھے ان کو دربار میں اور محل میں پردے سے باہر گانے کا موقع دیا جاتا تھا۔ بقیہ موسیقی میں دلچسپی رکھنے والے اور موسیقی سیکھنے والے شہری تھے۔

ابراہیم عادل شاہ حضوریوں کے سامنے گاتا تھا تو اس وقت ایک نئی دنیا ہی تخلق ہو جاتی۔ ہر وقت ایک نئے انداز کا الاپ باہر آیا کرتا۔ وہ حضوری سیکھتے اور درباریوں کو سکھاتے۔ درباری ان سے سیکھ کر شہریوں کو سکھاتے اور ان سب کو جاگیر وانعام واکرام سے نوازا جاتا ان میں چند کو ماہانہ وظیفہ بھی ملتا تھا اور ان کی رہائش کی سہولت بھی مہیا کی گئی تھی۔

ادب، موسیقی، فنون میں جس طرح ابراہیم کی دلچسپی تھی اسی طرح فنِ تعمیرات میں بھی ایک مخصوصی دلچسپی تھی۔ اپنے مقبرہ کی تعمیر اپنے حیات میں ہی کروا چکا تھا۔ ابراہیم روضہ دنیا بھر میں ایک مشہور عمارت کے نام سے جانی جاتی ہے اور فن تعمیر کے مبصروں نے اسے خوب سراہا ہے۔ تاج

باولی، آنند محل، سات محل، جل محل وغیرہ اسی کے دور میں تعمیر ہوئے جو آج بھی سیاحوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کر رہے ہیں۔

ابراہیم کا شاندار خواب، نورس سے محبت کے باعث اس نے ایک نیا شہر نورس پور تعمیر کیا۔ شہر کے مغرب میں 1600-1566ء نئے شہر کی تعمیر شروع ہوئی تقریباً 20 ہزار مزدوروں نے دن رات کام کر کے خوبصورت شہر تعمیر کیا۔ خوبصورت محلات، راستے، بازار وغیرہ سے آراستہ نورس پور اس زمانے میں کثیر آبادی کا علاقہ تھا۔ بد قسمتی سے یہ شہر 20 سال تک ہی آباد رہا۔ 1624ء میں ملک عنبر نے اس پر حملہ کیا اور شہر اجاڑ دیا۔ اگلے دو سال بعد ابراہیم کا بھی انتقال ہو گیا۔ نورس پور کے کھنڈرات میں سنگیت محل کا کھنڈر ہی آج سیاحوں کی توجہ بن سکتا ہے۔

ابراہیم عادل شاہ کا ذوق جمال کافی شاذ تھا چاہے وہ تاریخ ہو، ادب ہو، موسیقی ہو، فنونِ لطیفہ ہو، فن تعمیر ہو۔ ہندو مسلم مذہبی خیال ہو اس کو ہر ایک میں دلچسپی دکھائی دیتی ہے۔ ان اسباب کی بنا پر ایک موقع ایسا بھی آیا کہ "ابراہیم نے اپنا مذہب اسلام کو چھوڑ کر ہندو دھرم قبول کر لیا ہے" ایسی افواہ بھی اڑائی تھی لیکن ابراہیم نے کبھی اپنا مذہب نہیں بدلا اور نہ ہی دوسرے مذاہب کی تحقیر کی۔ البتہ اپنے محل کے آنگن میں سرسوتی مندر کی تعمیر کروایا تھا آج وہی نرسمہا مندر ہے۔ ان تمام دلچسپیوں کا نتیجہ ہے کہ اس کا شاعرانہ پن کہتا ہے

بھا کا نیاری نیاری بھاؤ ایک
کہا ترک کہا برہمن

زبانیں مختلف ہوئیں تو کیا ہوا؟ چاہے وہ ترک ہو یا برہمن مقصد تو ایک ہی ہے یہی اس کا پیغام ہے۔ اسی قسم کے گیتوں کا مجموعہ ہی کتاب نورس ہے۔ اس میں ادب بھی ہے، موسیقی بھی، تاریخ بھی اور اس کے ساتھ ساتھ خوبصورت تخیل بھی ہے۔ اس کا بیٹا محمد عادل شاہ بھی کافی نکتہ رس تھا۔ اس کے دربار میں بہت سے شعرا و مؤرخ، مصور جمع ہو گئے تھے۔ محمد عادل شاہ کا بیٹا علی عادل شاہ دوم خود شاعر تھا

اس کے غزلیات مشہور ہیں اسی کا درباری شاعر نصرتی تھا اس کے علاوہ مشہور شعراء بھی موجود تھے۔

تقریباً دو صدیوں تک 1489 تا 1686ء عادل شاہی خاندان کے سبھی بادشاہ ادب اور موسیقی کے دلدادہ تھے ایک سے بڑھ کر ایک نے فن تعمیرات کا مظاہرہ کیا۔ یوسف نے شہر کے اطراف حصار تعمیر کروائی علی عادل شاہ اول نے اس کی از سر نو تعمیر کروائی دیوار میں پتھر کا استعمال ہوا، جامع مسجد تعمیر کروایا، پائپوں کے ذریعہ شہر میں پانی لایا گیا۔ ابراہیم عادل شاہ دوم کے دور میں ابراہیم روضہ کے ساتھ ساتھ کئی عمارات تعمیر کروائے۔ اس کے فرزند نے گول گنبد بنوایا تو اس کے پوتے علی عادل شاہ دوم نے بارہ کمان گول گنبد سے بڑی عمارت کی بنیاد رکھی۔ لیکن کام مکمل نہ ہونے کے باعث ہم ردیف آواز بن کر بارہ کمان بنا۔ اس طرح اس سلاطین کے فن تعمیرات کے ذوق سے شہر بیجاپور کے اطراف واکناف میں صرف گنبد ہی گنبد نظر آتے ہیں۔ اسی لئے اس شہر کا ایک اور نام چھپن سو چاوڈی باون سو باولی بھی ہے یعنی 5,600 مساجد اور 5,200 کنوئیں۔

بیجاپور میں لائق دید کافی کھنڈرات ہیں۔ ان میں گول گنبد، بارہ کمان، ابراہیم روضہ، جمعہ مسجد، آثار محل، گگن محل، آنند محل، قلعہ، اُپلی برج، ملک میدان توپ، مہتر محل اور سنگیت محل اہم ہیں۔

نفیس و اعلیٰ قسم کی سنگتراشی کے منادر، مساجد، گنبد اور دیگر کھنڈرات اتنا سب کچھ دیکھنے تک ان سے آنے والی ٹھنڈی ہوائیں سیاحوں کے جسموں کو چھوتی ہوئی سنسنی پیدا کرتی ہے۔ ایسے میں یہاں ملنے والی خاص اشیائے خورد جیسے بیجاپور ضلع کی سفید جوار کی روٹی، پھلی اور لہسن کی چٹنی، پھلی کی میٹھی پوریاں، بگھارے بینگن، امین گڈھ کا کردنٹ، کولہار کے دہی چڑوے اور گلگلی کا پیڑا، ان سب کو دیکھ کر سیاحوں کے منہ میں پانی بھر آتا ہے۔

ملبوسات میں اِلکل کی ساڑی، گلید گوڑ کا کھن، کمٹگی کا ریشمی پٹکا، کندرگی کا اونی کمبل مشہور ہیں۔ بائیں ہاتھ میں جوار کی سوکھی روٹی پکڑے، اس میں تیل اور مرچ کا پوڈر ملا کر سیدھے ہاتھ سے نوالہ توڑ کر چٹنی کے ساتھ منہ میں رکھتا ہوا، دھوتی رومال والے مخصوص لباس میں ملبوس کسان آپ کو

کھانے پر مدعو کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کسان کے پڑوس میں چار ندیاں کرشن، بھیم، گھٹ پربھا اور ملپر بھا میں جل جل کر تا پانی بہتا رہتا ہے۔ ان ندیوں کے ساحلوں پر سیاہ و سرخ رنگ کے میدان جوار، کپاس، اور پھلی اگانے والا کسان پیشانی پر ہاتھ رکھے، کھلے منہ سے سوتے ہوئے جاگتے ہوئے بارش کو تک رہا ہوتا ہے۔ اس کے اطراف میں چار ندیوں کے بہنے کے باوجود یہ اس کی قسمت! ریاست کرناٹک کا یہ ضلع تاریخی عمارتوں کے لئے جتنا مشہور ہے اتنا ہی قحط کے لئے بھی۔ یہ بیجاپور ضلع کی ایک خصوصیت ہے۔ کرشنا اپر پراجکٹ کا المٹی ڈیم اگر مکمل ہو سکا تو یہ ضلع پانی کی کچھ امید کر سکتا ہے۔

اتنا سب کچھ جان لینے کے بعد بیجاپور کے فن تعمیرات کی عالیشان نمونوں کو دیکھنے کے لئے آپ بے قرار ہوں گے ہی۔ یہاں کے فن تعمیرات کے نمونوں کو ایک دن میں دیکھا جا سکتا ہے۔ تین دن سے ایک ہفتہ کے عرصے میں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ سب آپ کے پاس موجود وقت پر منحصر کرتا ہے۔ ایک دن میں دیکھنا چاہیں تو گول گنبد سے شروع کیجئے گول گنبد وہاں کا عجائب گھر، جمعہ مسجد، مہتر محل، آثار محل، قلعہ، ملکہ جہاں کی مسجد، بارہ کمان، تازہ باولی، ملک میدان توپ، اُپلی برج، ابراہیم روضہ اور حصار کے کھنڈرات دیکھے جا سکتے ہیں۔ قیام کے لئے سرکاری اور نجی مہمان سرائے ہیں۔ شہر میں گھومنے کے لئے گھوڑا گاڑیاں آٹو رکشا، ٹیا کسی وغیرہ مل جاتے ہیں۔ ان کا استعمال کیجئے یہاں کے فن کو دیکھئے اور اگر ہو سکے تو مہربانی سے ہمیں مطلع کیجئے۔

ضلع بیجاپور و شہر بیجاپور کو ایک بار پھر آپ کو خوش آمدید کہتے ہوئے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص

کرشنا کولہار کلکرنی

بیجاپور عادل شاہی فن تعمیرات

1489 تا 1686ء تک تقریبا 197 سال بیجاپور پر حکومت کرنے والے عادل شاہی خاندان کے آٹھ سلاطین اوران کے دور کے سردار، سپہ سالار، جاگیرداروں نے بیجاپور اوراس کے آس پاس کے علاقوں میں نایاب فن تعمیر کی مثالیں قائم کی ہیں اور یہ سارے کے سارے دکن کے کئی علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لیکن ہم یہاں صرف شہر بیجاپور کے فن تعمیرات پر توجہ دیں گے۔

عادل شاہی دور میں مقامی یعنی اس سے پہلے وہاں کے مقیم چالوکیہ، راشٹر کوٹہ، کلیانی چالوکیہ یادو ہویسلا اور وجیانگر کے فن تعمیر کی روایت کو پوری طرح آرام مل گیا۔ اسی دور میں ترکی، ایرانی، افغانی فن تعمیر کا جو چرچا تھا ان کے اثرات یہاں کے اکثر فن تعمیرات پر کھل کر ہوا جس کی مثالیں یہاں کے مساجد، مقابر، باغات، محلات اور قلعہ جات ہیں۔ ان کے نمونے منادر سے بالکل الگ ہیں ہندو فن تعمیر میں استعمال کئے جانے والے ستون، کمان اور مندر کے مخروطی مینار وہاں نہیں پائے جاتے۔ سارسانی فن تعمیر کہلانے والے ان تعمیرات میں کھدے ہوئے ستون اور گچ سے تعمیر کئے جانے والی دیواروں کا استعمال بڑھتا گیا اوران پر چونے کی پرت چڑھائی گئی۔ منادر کے دروازوں کے بجائے نوکدار کمانیں بنائی گئیں۔ تعمیر کا نمونہ بدلتا گیا۔ دیواروں کے زاوئے توڑ کر کمانوں کی طرح انہیں جھکا کر ان پر دائرہ نما ستونوں، پتھروں کے ٹکرے اور گچ کو ملا کر بنانے کا ایک نیا طریقہ اپنایا گیا۔ کشادہ چبوترہ اس پر دیواریں اور کمانیں ان پر چھت مخروطی میناروں کے بجائے کھوکھلے گنبد کھڑے ہوئے۔ اس قسم کے تعمیرات کے لئے چونے گارے کی پرت اہم تھی تعمیرات میں اہم خطوط کو فوقیت حاصل ہوئی اس کے ساتھ ہی تعمیر کے نقش ونگاریا، زیب وزینت کے لئے گارے کے جسموں کے حصے بھی زیادہ ہونے لگے۔ ایران، افغانستان وغیرہ میں ان منادر کے برہنہ پن کو دور کرنے کے لئے ایک خاص قسم کے کانچ کے بنے تصاویر سے پُر اینٹیں لگا کر دیکھنے والوں کو ایک خاص خوشی محسوس کروائی گئی۔ لیکن اس ملک میں

اس قسم کی رروایت جاری نہیں ہوئی اس طرح ان لوگوں کے بنائے ہوئے کئی مساجد، مقابر، منادر اور ان کے بڑھتے حجم سے ان کے جسموں کا برہنہ پن بھی کھل کر دکھائی دینے لگا۔ ہندو منادر کے باہری دیواروں کا برہنہ پن سنگ تراشی یا مجسمہ سازی اور نقش ونگار سے پُر کیا گیا۔ مسلمانوں کے لئے مورتیاں یا مجسمے منع ہیں اسی لئے وہ دیواریں سادہ اور برہنہ ہیں۔ تھوڑے عرصے بعد اس برہنہ پن کو نکالنے کے لئے یہاں وہاں دیواروں پر جیومیٹریکل تصاویر، نقش، پھول پتے اور قرآنی آیات پتھروں پر کندہ کرنے کا فن بیجاپور کے فن کاروں نے سیکھا اس طرح سے بیجاپور کے فن تعمیر میں اس قسم کے نمونے دیکھنے میں آئے۔ متوسط دور کے جنوبی ہندوستان میں تقریبا دو صدیوں کی مدت تک حکومت کرنے والے بیجاپوری عادل شاہی اور قطب شاہی سلطنت میں اہم ہیں۔ ان کا عروج وزوال ایک ہی زمانے میں ہونے کے باوجود بیجاپور میں پروان چڑھنے والے فن تعمیر نے اپنے طور پر اپنی ایک خاص پہچان بنائی اور اس کو قائم رکھا یہاں کے فن تعمیر میں ایک نیا پن اور خوبصورتی پائی جاتی ہے اور یہ طریقہ کار صرف جنوبی ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ سارے بھارت میں اسے ایک اہم مقام حاصل ہے۔ لیکن گوا میں ادب وموسیقی کے پھلنے پھولنے کے باوجود فن تعمیر نے یہاں کوئی قابل تعریف ترقی نہیں کی وہاں بھی عمارتیں بنیں لیکن فن تعمیر کے نقطہ نظر سے کوئی اہم کارنامہ انجام نہیں پایا۔ یہ فن تعمیر کے نقادوں کی رائے ہے۔ شہر بیجاپور کی عمارتوں کے مطالعہ کے نقطہ نظر سے انہیں پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے

1) دفاعی عمارتیں، قلعہ جات برج وغیر
2) زندگی کے انتظامیہ کے نائب شہروں کی تعمیر اور پانی کی فراہمی
3) مذہبی امور کے لئے تعمیر کردہ عبادت گاہیں یا مساجد
4) رہائشی انتظامات کے لئے تعمیر کردہ محل، محلات اور انصاف گاہیں
5) نجی یادگار کے لئے تعمیر کردہ قبریں یا روضے

۱) قلعے خندقیں اور برج

کسی ریاست کی راجدھانی کے لئے پچھلے زمانے میں اس جگہ پر حاصل ہونے والی قدرتی دفاعی طاقت بہت اہم تھی۔ اسی طرح نئی ریاستوں کے تاسیس کے ساتھ ہی ان کے پائے تخت بھی پہاڑیوں کے درمیان یا ندی گھاٹی کے درمیان ہوا کرتی۔ بیجاپور شہر کو پایہ تخت بنانے کے لئے اس قسم کے کوئی قدرتی دفاع کی کوئی قابلیت نہیں تھی۔ خالص میدانی علاقے میں بسا شہر بیجاپور غیر متوقع طور پر عادل شاہیوں کا پایہ تخت بن جانے پر بادشاہ کو اپنی حفاظت کے لئے انسان کا تعمیر شدہ مضبوط قلعہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس وقت تک کرناٹک میں قلعوں کی تعمیر میں خاصی تبدیلیاں آچکی تھیں۔ متوسط دور کے آغاز میں ہی اپنی اپنی فوجوں میں بارود کا استعمال شروع ہو چکا تھا۔ اس طرح پرانے زمانے کے قلعوں اور متوسط دور کے قلعوں کی تعمیر میں کافی تبدیلیاں ہوئیں۔ متوسط دور کے قلعوں پر ایرانیوں، فرنچ اور برٹش قلعوں کی فن تعمیر کا بہتیرا اثر تھا۔ بارود وغیرہ کے استعمال سے تیار شدہ ہتھیار کے استعمال سے قلعوں کو محفوظ بنانا تھا۔ قلعوں سے باہر کشادہ، تکونی گول اونچے برج دو یا تین سطح میں اٹھائی دیواریں، ان دیواروں اور فصیل پر سنگی نقشی آکاروں میں سوراخ، گرم تیل انڈیلے جانے والے دھوکہ کے سوراخ کئی ایک بنے ہوئے ہیں بیجاپور کے عادل شاہی بادشاہوں نے جو آج بھی بیجاپور دھارواڑ، بلگام، بنکاپور، گل درگ وغیرہ میں اس قسم کے قلعہ جات تعمیر کروائے دیکھے جاسکتے ہیں۔

بیجاپور میں دو علاحدہ قلعہ کی دیواریں ہیں۔ ایک بادشاہ نے اپنے محلات کے اطراف قلعہ بنوایا دوسرا سارے شہر کو گھیرا ہوا قلعہ ہے۔ اب اس کا کافی حصہ منہدم ہو چکا ہے۔ چند مقامات پر قلعہ کی بناوٹ پلان اور طرز پر روشنی ڈالتا ہے۔

بیجاپور کے محل کا قلعہ عادل شاہی خاندان کا بانی یوسف عادل شاہ نے 4-1503ء میں بنوایا۔ شاید اس سے قبل کلیانی چالوکیہ اور دیوگری کے یادو نے اپنے دوسری راجدھانی کے لئے بنوائے گئے قلعہ کی دیواروں کو یوسف عادل شاہ نے اپنے رہائشی ضروریات کے لئے استعمال کر لئے ہوں گے۔ اب نہ ان

قلعہ کی دیواریں ہیں یا اس سے قبل کے ہندو راجاؤں کے خاندان کے بنائے قلعہ کی دیواروں کے کھنڈر باقی ہیں۔ لیکن کلیانی چالوکیہ کے دور میں تعمیر کردہ نرسمہا مندر کا کھنڈر آج بھی عادل شاہی محل کے صدر دروازے میں قلعہ کا ایک حصہ بن کر بچا ہوا ہے۔

بیجاپور میں عادل شاہی فن تعمیر کے شروعات وجیہ نگر کے زوال کے بعد ہی شروع ہوتے ہیں۔ اس وقت تک عادل شاہی ریاست ایک چھوٹی عملداری کی حیثیت کی مالک تھی۔ 1565ء رکنہ تنگڈی جنگ کے بعد بڑی سرعت سے پھیلی۔ علی عادل شاہ اول 1580-1552 نے اپنے دور میں محل اور شہر دونوں کو پتھروں کے مضبوط قلعے 1566ء میں بنوائے۔

چونا گچ اور پتھر کے استعمال سے بنائے گئے قلعے کے کھنڈرات آج بھی اپنی شان و شوکت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ دکن میں اس طرح کا مضبوط قلعہ کوئی اور نہیں ہے۔ محل کا قلعہ دو پرتوں پر منحصر ہے شہر کے چاروں طرف چار شاندار دروازے ہیں۔ مشرقی رخ میں ایک اور چھوٹا دروازہ ہے اس طرح سے دائرہ نما قلعہ تقریباً گیارہ کلو میٹر ہے۔ بندھن میں مہارت کا منصوبہ دکھائی نہیں دیتا اس کی مثال بدانتظامی سے بنا ٹیڑھا میڑھا دائرہ ہے۔ 24 فیٹ چوڑا 60 فیٹ اونچی قلعہ کی دیوار میں توپیں نصب کرنے کے لئے 120 برج ہیں۔ اس کے علاوہ قلعہ کے اطراف بھر کر مارنے والے بندوقوں کے استعمال کے لئے چھ ہزار سوراخ تھے۔ ساتھ ہی 70 چور سوراخ بھی، شاندار اونچے دروازوں کے لئے موٹے تختے کے دروازے ان پر ایک فٹ سے بھی زیادہ لمبے لوہے کی میخ تاکہ دشمن کے ہاتھی بھی دروازہ نہ کھول سکیں ایسا انتظام کیا گیا تھا۔ ایسا انتظام ہونے سے ہی بیجاپور کے قلعہ پر کسی کو بھی قبضہ کرنا ممکن نہ ہو سکا۔

قلعہ سے باہر تقریباً 40 تا 50 فٹ گہری اور اتنی ہی چوڑی خندقیں کھودی تھیں اور انہیں ہمیشہ پانی سے پُر رکھا جاتا اور اس پانی میں مگرمچھ وغیرہ آبی درندے چھوڑے جاتے۔ قلعہ کی تعمیر کے لئے ضروری پتھر انہیں خندقوں سے فراہم کر کے بنوائے گئے اور اس ڈھلوان کو اپنی دفاع کے لئے اور طریقے سے استعمال کیا گیا۔

قلعہ کی تعمیر کا کام علی عادل شاہ اول 1580-1557ء نے اپنے سردار کشور خاں کے ذمہ دیا تھا۔اس نے ریاست بھر کے سارے گاؤں کے مشہور سنگتراشوں کو لا کر یہاں جمع کیا اور ان پر نگرانی کے لئے قلعہ کے ایک ایک حصہ پر ایک ایک سردار اور محرر متعین کیا گیا وجیانگر کے زوال 1565 کے بعد 1566ء میں یہ کام شروع ہوا اور اگلے تین سالوں میں محل اور شہر کے اطراف قلعہ کی تعمیر کا کام مکمل ہوا۔

توپیں

لانڈا قصبہ: قلعہ کے جنوبی سمت پر (باگلکوٹ کے راستہ پر) نصب لانڈا کسبا توپ بیجاپور کے تمام توپوں میں سب سے بڑی ہے 21 فٹ 15 انچ چوڑی اور چار فٹ 5 انچ قطر تقریباً 7 4 ٹن وزنی ہے۔اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو بیجاپور میں ہی سانچے میں ڈھال کر یہ ہتھیار تیار کیا گیا اس سے عادل شاہی زمانے کے لوہے کی ہتھیاروں کی تیاری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

مالکِ میدان

بیجاپور کے کھنڈرات میں سب سے زیادہ جاذب چیز مالک میدان توپ ہے اس کے معنی میدان جنگ کا بادشاہ ہے۔14 فٹ 14 انچ لمبی 4 فٹ 11 انچ قطر کی 55 ٹن وزنی بارودی ہتھیار بیجاپور میں سب سے بڑا ہتھیار ہے۔احمد نگر کا درباری محمد بن حسن رمی نامی ایک ترکی سردار نے اسے 1549ء میں تیار کروایا۔یہ بات توپ پر کندہ فارسی عبارت سے ظاہر ہوتی ہے۔اس کو 1565ء کے رکنہ تنگڈگی جنگ میں وجیہ نگر کے خلاف لڑی گئی جنگ میں استعمال کیا گیا تھا۔واپس لوٹتے وقت پرانڈا کے قلعہ میں جو توپ تھی محمد عادل شاہ کا وزیر مراری پنت نے اسے 22-9-1632 میں بیجاپور لایا اور اس کے لئے خاص کر قلعہ کے مغربی حصہ میں شیر جا برج بنوایا گیا اس کو لانے کے لئے دس ہاتھی 400 بیل استعمال کئے گئے تھے۔پنچ لوہا کے اس ہتھیار میں سونا بھی ہے۔یہ جان کر چوری کی ناکام کوشش کی گئی۔اس کو انگریز اپنے ملک کو لیجانا چاہتے تھے لیکن ان کی کوشش ناکام رہی آخر کار جب اُس کی نیلامی ہوئی تو صرف 150 روپئے اس کی قیمت ملی اس لئے اس کو نہیں بیچا گیا اسی لئے آج وہ سیاحوں کا دھیان اپنے طرف راغب کرنے میں لگی ہوئی ہے اس کا ایک اور نام ملک میدان بھی ہے۔

حیدر برج (اُپلی برج)

80 فٹ بلند شاندار جنگی برج ابراہیم عادل شاہ ثانی کے سپہ سالار حیدر خان نے 1584ء میں بنوایا۔یہ بات برج پر نصب کتبہ میں بتائی گئی ہے۔گھوم پھر کر پتھر کی سیڑھیوں سے اوپر پہنچیں گے تو سارے شہر کا نظارہ خوبصورت دکھائی دینے کے علاوہ شمال مشرقی رخ کو دور تک دیکھا جاسکتا ہے۔اس کی تعمیر ایک اونچے پہاڑی پر ہونے کی وجہ سے باہر سے آنے والوں کو چاروں سمت سے گول گنبد کے ساتھ ساتھ یہ بھی دکھائی دیتا ہے۔برج کے اوپر اسلحہ بارود رکھنے کے لئے وسیع جگہ موجود ہے۔وہاں دو لوہے کی توپیں بھی ہیں تیس فٹ آٹھ انچ لمبی اور تین فٹ دو انچ قطر کے ان توپوں کو اس برج پر دیکھ کر سیاح محو حیرت میں پڑ جاتے ہیں۔ایک توپ کا وزن تقریباً بائیس ٹن ہوگا تو دوسری توپ کا تھوڑا کم ہوگا۔

۲) نائب زندگی

محفوظ رہنے کے لئے قلعہ بنوایا گیا۔لیکن وسیع آبادی کی زندگی کے لئے سب سے اہم ضرورت پانی کی ضرورت ہے۔عادل شاہی بادشاہوں نے پانی کا جو انتظام کیا تھا اور اس کا منصوبہ بنایا تھا موجودہ فن تعمیر کے ماہرین کو بھی حیرت میں ڈالدیتا ہے۔شہر بیجاپور کے مغربی اور جنوبی سمت میں زمینی سطح کی اونچائی کو دھیان میں رکھتے ہوئے وہاں برسنے والی بارش کا ایک قطرہ بھی بے کار کئے بغیر جمع کر کے شہر کو لایا گیا ہے جو بہت ہی شاذ سنگتراشی کے عمیق فرض کی طاقت ہے۔

فرشتہ کے بیان کے مطابق عادل شاہ کے حکم سے پانچ کوس دور سے شہر کو نل کا پانی لے آیا درمیانی راستے میں حائل چٹانیں کھود کر پانی کو محل کے قریب لا کر ایک بڑا حوض بنوایا اس حوض کو کارنجی کہتے ہیں۔اور یہ کارنجی ہمیشہ پانی سے لبریز رہنے کے لئے پانی فراہم کیا جاتا۔شہر کے سارے لوگ اس پانی کا استعمال کرتے شاید یہی چاند باولی کے نام سے مشہور ہے شاید تو روے نامی قریہ سے پانی لایا گیا تھا۔

توروے پانی منصوبہ

شہر کے مغربی سمت پانچ کلو میٹر دوری پر توروے نامی ایک قریہ ہے اس قریہ کے اوپری حصہ میں تقریبا ایک یا دیڑھ کلو میٹر کے فاصلے پر برساتی پانی اور قریبی دو چار چھوٹے نالے، زمینی سطح پر بنائے گئے نالوں کے ذریعے توروے کے قریب لے آئے۔ وہاں سے زمین دوز نہریں کھود کر نزدیک کے افضل پور کے (ٹکے) قریہ کو لے آئے یہ زمین دوز نہریں توروے قریہ کے جڑوں میں بہہ رہی ہیں۔ ان نہروں سے بہتا ہوا پانی افضل پور کے قریب بنائے ہوئے بندھ میں جمع ہوتا ہے۔

ایک اور مٹی کا تالاب یا باولی توروے کے مغرب سے قریب میں ہے اس کا نام سرنگ باولی ہے یہ بندھ سے قبل کا ایک چھوٹا انتظام ہے۔ یہاں چند مضبوط پتھر بھی ہیں۔ مختلف چھوٹے موٹے نالے اور چشمے اس کو جوڑ دئے گئے ہیں۔ اس باولی سے زمین دوز نالوں کے ذریعے پانی توروے تک لا کر وہاں بڑے نالے سے جوڑ دیا گیا ہے۔ افضل پور کے تالاب کو بھی اسی طرح ٹیلے کے اوپر کی باولی سے پانی لایا جارہا ہے۔ درمیان میں گھروں کو پار کرنے کے لئے پانی کو دائرہ نما نالوں کے ذریعے لایا گیا توروے قریہ کے راستوں کو پار کرنے والے ان نالوں کے نشان یہاں وہاں حال تک دکھائی دیتے تھے۔ مقامی لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے۔ اب کی حالت یہ ہے کہ ان نالوں کا نام و نشان تک نہیں ہے۔ لیکن بندھ کے آثار اور ان نالوں کے رخ یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ توروے پانی کا نظام ہی تھا۔

افضل پور کے بندھ کے کھنڈرات ثابت کرتے ہیں کہ وہ ایک بہت بڑا بندھ تھا ایک دو جگہ اس میں دراڑ پڑنے کے بعد یہ بند ٹوٹ گیا اس کی بلندی 60 فٹ تھی اس اہم بندھ کے نیچے ایک اور چھوٹا بند بھی ہے۔ جب بڑا بندھ پانی سے لبریز ہو جاتا اور زائد پانی بہہ جاتا تو اس بند میں جمع ہو جاتا جس سے نزدیک کے علاقے سیراب ہوتے۔

اس اہم بندھ کو آنے والے زمین دوز نالوں کا ناپ شروع میں 8 فٹ چوڑے اور 6 فٹ گہرے تھے ان کو بنانے میں شاید کافی دقتیں پیش آئی ہوں گی کیونکہ چند ایک جگہ 60 فٹ کی گہرائی میں چٹانوں

میں سوراخ کئے گئے ہیں۔ یہاں وہاں اینٹوں سے بھی کام لیا گیا ہے لیکن عام طور سے پتھری نالوں کا راستہ ہی زیادہ ہے۔ پانی کے رابطے کو قائم رکھنے کے لئے راستہ بھر 120 فٹ کے فاصلے پر ایک ایک سوراخ چھوڑا گیا ہے ایسے سوراخ آج بھی یہاں وہاں دیکھے جاسکتے ہیں۔ زمین دوز نالے ابراہیم روضہ تک آکر وہاں سے مکہ گیٹ کے ذریعہ شہر کے درمیان آکر جوڑی گنبد تک آئے ہیں۔ آئندہ شاید راستے کے شاخ پھوٹنے کے باعث دونوں طرف گیا ہوگا ایک مغربی رخ کے قدیم جامع مسجد تک اور ایک شاہی قلعہ تک آیا ہوگا۔ شاید اسی نالے سے شاہی قلعہ کے خندقوں اور محلات کو پانی پہنچایا جاتا تھا۔

قدیم جامع مسجد کے راستے میں جو سوراخ دکھائی دیتے ہیں آج بھی اس راستے میں پانی بہتا ہوا دیکھا جاسکتا ہے چند مقامات پر جہاں چوڑے سوراخ ہیں وہاں پر سیڑھیاں بھی دیکھے جاسکتے ہیں شاید یہ سیڑھیاں نالوں میں جمع ہونے والے کوڑے کرکٹ کو نکالنے کے لئے بنائے گئے ہوں گے توروے نالوں سے کئی ایک باؤلیوں کو بھی جوڑ کر پانی جمع کیا جاتا تھا۔ علی عادل شاہ اول کے بعد ابراہیم عادل شاہ ثانی 1580 تا 1629ء اور اس کا بیٹا محمد عادل شاہ 1629 تا 1656ء کے عہد میں بھی پانی کے لئے کئی ایک منصوبے عمل میں لائے گئے۔

1615ء کیاپٹن سیڈک نامی آدمی نے جب بیجاپور میں کیمپ کیا تو اس نے قلعہ کے اندرونی حصہ میں 700 سیڑھیوں والی باولی کے ساتھ تین سو اور چھوٹی باولیوں کی نشاندہی کی تھی اس وقت تک بیجاپور کا زوال ہو کر ایک صدی کا عرصہ ہو چکا تھا۔ آج بھی ہو رہا ہے ان کی تعمیر ایک سے جدا ہیں چند بڑے کنوؤں کی مثال دیتی ہوں تو علی خاں باوڑی، ابراہیم پور باوڑی، کوٹھی باوڑی، نگر باوڑی، نواب باوڑی، گنبد باوڑی، نیم باوڑی، بستی باوڑی، مسجد باوڑی، مال باوڑی، ولس باوڑی، منکری باوڑی، مبارک خان باوڑی، ہاشم پیر درگاہ باوڑی، سونار باوڑی وغیرہ۔ ان میں چاند باوڑی اور تاج باوڑی بڑی ہیں اور سیاحوں کی رغبت کا مرکز بنے ہیں۔

چاند باؤلی

1529ء میں علی عادل شاہ اول نے اپنی بیوی چاند بی بی کی یاد میں کنواں بنوایا۔ شہر کے شمال مغربی حصہ میں آنے والی شاہ پور دروازہ کے قریب تقریباً 400 فٹ دوری کے فاصلہ پر پائی جانے والی یہ باؤلی آج سوکھ گئی ہے۔ لیکن کنویں کی عمارت دیکھنے والی آنکھوں کو فرحت پہنچاتی ہے۔ مشرق مغرب 144 فٹ شمال جنوب 159 فٹ مربع کنویں کے اطراف 4 پتھر کی سیڑھیاں ہیں۔ بڑی کمان کا صدر دروازہ کنویں کے دیواروں سے جڑا ہوا ہے بقیہ تین سمتوں میں سوراخ ہیں شاید اسی بنیاد پر تاج باوڑی بنائی گئی۔

تاج باوڑی

علی عادل شاہ اول کے انتقال کے بعد ابراہیم عادل شاہ ثانی نے جب حکومت سنبھالی تو اپنی زوجہ تاج سلطانہ کے نام پر 1620ء میں تاج باوڑی بنوائی۔ مکہ صدر دروازہ کے قریب واقع یہ کنواں شمال کے طرف رخ کئے 35 فٹ بلند شاندار کمانی صدر دروازہ اس کے دونوں طرف دو اعلیٰ گنبد ہیں۔ اندر داخل ہوتے ہی سامنے پردے کی دیوار، 120 فٹ لمبی 100 فٹ چوڑی، 52 فٹ گہری ہے۔ مشرق مغرب اور جنوب سمت میں کنویں کے دیواروں سے متصل آرام کے کمرے ہیں۔ صدر دروازہ میں پردے کی دیوار سے جڑا ایک وسیع، ٹہرنے کی جگہ ہے یہاں سے جو سیڑھیاں شروع ہوتی ہیں پانی کے گہرائی کو چھوتے ہیں۔ چاروں طرف اندرونی طور پر چھ فٹ چوڑا راستہ ہے۔

بیگم تالاب

توروے پانی سربراہی منصوبہ اور سینکڑوں کنوؤں کے بنوانے کے باوجود شہر میں پانی کی قلت دور نہیں ہوئی اس وقت احمد عادل شاہ کے دور میں 1626 تا 1656 باہر سے پانی لانے کا ایک بہت بڑا منصوبہ بنایا گیا۔ دادا مغربی سمت سے پانی لایا تو اس کے پڑپوتے نے جنوب کا رخ کیا۔ دو کلو میٹر کے فاصلہ

پر بیگم تالاب نامی تالاب تعمیر کیا۔ اس کے تعمیر میں اب انتظام کچھ اور سدھر گیا تھا۔ یہاں نالوں کے بجائے مٹی کے پائپوں کے ذریعہ شہر کو پانی لایا گیا۔

یہ پائپ چھوٹے ہیں ایک دوسرے میں جوڑنے کے لئے ان میں انگوٹھیاں بنائے گئے ہیں۔ قلعہ میں پانی کے آجانے کے بعد اب ان کو جمع کرنے کے لئے اونچے مربع پانی کے میناروں (گنج) کی تعمیر ہوئی۔ مٹی کے پائپوں کے ذریعہ آنے والا کوڑا کرکٹ نہ بھر جائے اور اس سے بہاؤ میں کمی نہ آنے کے لئے ایسا انتظام ضروری تھا ان میناروں میں داخلہ نیچے سے تھا اور تقسیم کا انتظام چار سے چھ فٹ اوپر تھا۔ اس لئے پائپوں کے ذریعہ آنے والا کوڑا کرکٹ نیچے جمع ہو جاتا اور پتلا نکھرا پانی تقسیم ہوتا تھا۔ ہر مینار کو چار، دس، پندرہ تقسیم کے پائپ ہوتے تو محل کے احاطے میں پانی مینار کو 70 تقسیمی پائپ محل کے مختلف عمارتوں کو سپلائی کیا جاتا۔ یہ آبی مینار تقریباً 25 تا 40 فٹ اونچے 12 تا 16 فٹ لمبے چوڑے تھے اندر باہر اترنے اور چڑھنے کے لئے سیڑھیاں بنائی گئیں تھیں۔

اس طرح جنوب اور مغربی سمتوں سے زمین کی اونچائی کا استعمال کر کے پانی جمع کیا گیا تھا۔ درمیانی زاویہ نہیں چھوڑا وہاں بھی ایک چھوٹا تالاب بنوا کر نالوں کے ذریعہ پانی لائے۔ آج کے سرکاری دواخانے کے پیچھے اس چھوٹے تالاب کے کھنڈر کو دیکھا جاسکتا ہے۔

عیش و آرام کے لئے پانی

بیجاپور کے بادشاہوں کو پانی صرف ضرورت اور دفاع کے لئے ہی نہیں عیش و آرام کی چیز بھی تھی۔ ہندوؤں کے لئے نہانے دھونے کے ساتھ ساتھ ترقی یافتہ مسلمانوں کے لئے عیش و آرام کی زندگی کے لئے یہاں پانی بہت اہم رول ادا کرتا ہے۔ بیجاپور جیسے گرم علاقے میں مسلمانوں کے سردار، سپہ سالار، صوبیدار وغیرہ مہینوں میدان جنگ میں لڑتے بھڑتے تھک ہار کر جب واپس آتے تو اس ٹھنڈے پانی سے عیش و آرام حاصل کرنا فطری تھا۔

اپنے عالی شان مکانوں کے صحنوں میں پانی کے حوض بنوائے تھے اور نالیوں سے ان میں پانی

بھرا جاتا۔ گھر کے چاروں طرف پائیں باغ بنوائے تھے۔ نالوں میں آواز کے ساتھ بہتے پانی کے لئے پائیں باغوں کے لئے سہارے کی جگہ کے ساتھ ساتھ زیور اکی طرح آرائش کا کام بھی دیتی تھی۔ حوض کے اندر اور باہر گھس آنے والے ان پانی کے نالوں کو اور زیادہ خوبصورت دکھائی دینے کے لئے ان کو دائراتی، تکونی، مربع، مسدس اور زگ زیاگ طریقوں سے بھی کاٹ کر کبھی کبھی ویسے ہی بہنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا۔ ان میں چھوڑے گئے چھوٹی چھوٹی مچھلیاں، پانی کبھی کبھی دھار بنا کر طاقت سے گھستا تو کبھی اونچا اچھل کر اڑتا اور موتیاں بکھیرتا تو ستاروں کے مانند دکھائی دیتا تو ان سب کا ہم تخیل سے اندازہ کر سکتے ہیں۔ گھر میں ٹھنڈک پیدا کرنے کے لئے زمین میں، دیواروں کے درمیان اور نہاڑی کے دونوں پرتوں کے درمیان پانی کے پائپوں کے ذریعہ پانی چھوڑا جاتا۔ اس قسم کے بے شمار عمارتیں آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ بہت سے مکانات کالے پتھر اور گچ سے تعمیر کئے گئے ہیں اس طرح کی ایک تین منزلہ عمارت مبارک محل شہر کے مغربی جنوبی زاویہ کے درمیان کھنڈر بنی پڑی ہے۔ تالاب کے درمیان تعمیر کردہ محل کے ہر منزل کے اطراف مور کے منہ سے پانی گرنے پر تیسری منزل پر شاید میاں بیوی کھیل مذاق کرتے رہے ہوں گے۔

حمام فوارے وغیرہ عام تھے 5-1604ء میں اکبر کا سفیر اسد بیگ بیجاپور کے دربار میں تھا اس نے شہر کی بے حد تعریف کی ہے۔

۳) عبادت گاہیں۔ مساجد

مذہبی کاموں کے لئے خاص کر عبادت کے لئے تعمیر کردہ ان عمارات کو مسجد کہا جاتا ہے۔ شہر بھر میں مساجد دیکھے جا سکتے ہیں۔ ہر ایک نے عبادت کے لئے ایسی عبادت گاہیں تعمیر کروائی ہیں فن تعمیر کے نقطہ نظر سے ہر مسجد ایک سے ایک اعلیٰ ترین ہے۔ عام طور سے یک منزلہ عمارتیں ہیں لیکن مختلف جگہوں پر ایک سے زیادہ منزلیں بھی پائی جاتی ہیں۔ ان عمارتوں میں کئی ستون پائے جاتے ہیں۔ عمارت کے اندر اور باہر کشادہ صحن پائے جاتے ہیں۔ ہندو مندر میں جس طرح پانی کے بڑے تالاب نما

حوض یا کنوئیں پائے جاتے ہیں اسی طرح ان مساجد میں بھی پائے جاتے ہیں۔ مغربی دیوار میں محراب بنائی جاتی ہے اس کے دائیں بازو میں بلند ستون کے مانند گنبد کا مینار ہوتا ہے اس کو مینارو کہتے ہیں۔ بارھویں اور تیرھویں صدی کے شروعات میں 'وجے ستمبھ' (کامیابی کا ستون) بنایا جاتا تھا۔ یہ مینارے بعد میں مسلم عمارتوں کا ایک حصہ بن گئیں۔ ان میناروں کو عام طور پر اذان کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ مسجد کے محراب کی چھت سے جڑا گول نما گنبد بنوایا جاتا ہے۔ بیجاپور کے مساجد کے فن تعمیر کے نقطہ نظر سے مختلف النوع گنبد دیکھے جا سکتے ہیں۔ گنبد کے بنانے کا طریقہ اور اس کی گوناگوں صفت ہی ایک علاحدہ مشق چاہتی ہے۔

عادل شاہی دور کی پہلی مسجد شاہی قلعہ میں یوسف عادل شاہ (بانی) 3-1502ء میں بنوائی۔ اس سے قبل 89-1488ء میں فاروق محل کے قریب خواجہ جہاں نے ایک مسجد بنوائی تھی۔ اس کا حوالہ ملتا ہے لیکن محل کے احاطے میں موجود آج دکھائی دینے والی مکہ مسجد شاید وہی ہے۔ اس کو چھوڑ کر عادل شاہیوں نے قبل بیجاپور میں آنے والے پہلے گورنر ملک کریم الدین نے کریم الدین مسجد، ہندو منادر کے کھنڈرات سے جو عمارت بنوائی ہے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت (چودھویں صدی) اسلامی طرز تعمیر ابھی یہاں نہیں پہنچ پائی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ اول نے 1551ء میں ایک جامع مسجد بنوائی تھی۔ شاید وہی پرانی جامع مسجد ہو گی۔ بیجاپور کی مشہور جامع مسجد علی عادل شاہ اول نے 78-1577ء میں بنوانی شروع کی یہ جنوبی ہندوستان میں ہی سب سے بڑی مسجد ہے۔ علی عادل شاہ اول کے علاوہ اگلے چار عادل شاہی بادشاہ اور بیجاپور کے زوال 1686ء کے بعد آنے والا اورنگ زیب بھی اس عمارت میں حصہ دار رہا۔

کریم الدین مسجد

شاہی قلعہ کے فاروق محل کے مشرق کے کچھ فاصلہ پر ویران پڑی ہندو مندر کے طرز تعمیر کی عمارت کریم الدین بیجاپور کا پہلا مسلم کھنڈر کہلاتا ہے۔ دیوار میں جڑے ایک کتبہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے

کہ سالونگی کے ایک بڑھئی (Carpentre) ریویا نے 1320ء میں یہ مسجد بنوائی۔ دہلی سلطان کے سپہ سالار ملک کافور کا بیٹا کریم الدین بیجاپور کا پہلا گورنر بن کر آیا تب اس نے یہ عمارت تعمیر کروائی۔ یہ عمارت میں ہندو مندر کے طرز پر تعمیر کی گئی ہے۔ جن میں سنگی ستون بھی یقینی طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ اس کا دروازہ بھی ہندو مندروں کی طرح مشرقی رخ پر ہے۔ یہ عمارت جنوبی ہند میں ہندو چالوکیہ طرز میں بنائی گئی ہے۔ قریب ہی بدھ کی تین مورتیاں بھی اسی جگہ پائی گئی تھیں۔

جمعہ مسجد

جمعہ مسجد ایک خوبصورت مربع عمارت، شمال جنوب 225 فٹ اور مشرق مغرب 450 فٹ لمبی عمارت ہے مشرقی دروازے سے داخل ہوں تو عمارت کے درمیان بھی 155 مربع فٹ کا ایک فوارہ دار حوض ہے۔ شمال جنوب دونوں طرف 28 فٹ چوڑی 25 فٹ اونچی کمانیں ہیں۔ مغرب میں بھی سات کمانیں ہیں۔ کمان کی درمیانی نوک اور ان سے پھیلے بیل بوٹے وغیرہ ان کی زیب وزینت کو اور بڑھا چکے ہیں۔ دیواروں پر ملائی کے رنگ کے کمان، ان کے اندر ابھرے ہوئے چھت کے چھوٹے چھوٹے سوراخ ان کے ساتھ ساتھ جالی دار پتھر میں بنے جیومیٹریکل خوبصورت نقش، جتنی روشنی اور ہوا کی ضرورت ہے اندر آنے اور عمارت کے اندر روشنی اور ہوا پہنچنے کے ذرائع بھی ہیں۔

مسجد کا کل رقبہ 16,000 مربع فٹ ہے اور سارے شہر بیجاپور کی عمارتوں میں سب سے زیادہ جگہ حاصل کرنے والی عمارت ہے۔ شاندار کانفرنس ہال کے تین حصے ہیں۔ ہر ایک کو ابھرے ہوئے دھکن ہیں۔ نماز کے لئے 2250 مصلے ہیں مغرب میں مغربی سمت کی دیوار میں ایک محراب ہے جس پر خوبصورت کتابت میں قرآنی آیات کندہ ہیں۔ ایک زمانے میں ان کو ہمیشہ طلائی پانی پلایا جاتا تھا۔

چند جملے ایسے ہیں

یہ زندگی فانی ہے اس پر بھروسہ نہ کر
اس درمیانی زندگی میں آرام نہیں ہے
زندگی ایک انمول تحفہ ہے لیکن فانی ہے
دنیا نفس پرست ہے وغیرہ

یہاں بنے ہوئے رنگین دلفریب نقش ونگار 1636ء میں محمد عادل شاہ کے حکم سے ملک یاقوت نے کئے تھے۔ درمیانی گنبد 75 مربع فٹ چوڑا اور زمین سے 155 فٹ بلند ہے۔ بیجاپور کے سارے گنبدوں میں سب سے خوبصورت اور سارے شہر کے بیرونی حصہ میں اپنی بلندی کے باعث نظر آنے والا گنبد ہے۔ عمارت کے اندرونی اور بیرونی رخ میں خوبصورتی سے تعمیر کی گئی یہ عمارت انڈو سارسانیک طرز کی خوبصورت مثال ہے۔

اس مسجد میں آج بھی نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے۔ شمالی دروازے سے داخل ہوں تو چوڑے سیڑھیاں ہیں ان پر 40 فٹ اُونچا گنبد اندر آنے والوں کو واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ اس عمارت میں فن تعمیر کی سادگی ساری عمارت کے پلان کو گھیر چکی ہے۔ عمارت کی خوبصورتی کو بگاڑے بغیر اس کی آرائش، زیبائش بڑھانے والے کمان خوبصورت گنبد اندر آنے والے نمازی کو نماز کے جوش وجذبہ کو ابھارتی ہے۔

ملکہ جہاں بیگم مسجد

شاہی قلعہ کے مغربی رخ موجودہ بس اسٹانڈ کے قریب موجود چھوٹی مگر خوبصورت مسجد 1589 میں ابراہیم عادل شاہ نے اپنی بیگم کے لئے بنوایا۔ بہترین اور نفیس نقش ونگار کے علاوہ یہ عمارت فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ ہے کمانوں اور گنبد کے درمیان کندہ باریک کشیدہ کاری بہت ہی خوبصورت ہے۔ پتھر کی سلوں پر دیواروں کے اوپری حصہ میں باہر آئے ہوئے زیبائشی حصوں میں دکھائی دینے والے دراز تخت سارے عمارت کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں۔ فن تعمیر کے نقطہ نظر سے اور بھی مثالیں ملنے والی مساجد میں بخاری مسجد، انڈا مسجد اور مکہ مسجد، مہتر محل وغیرہ اہم ہیں۔

انڈا مسجد

شاہی قلعہ کے جنوبی حصہ میں باگلکوٹ کے راستے کے کونے میں دکھائی دینے والی دو منزلہ

عمارت انڈا مسجد مشرقی سمت رخ کر کے کھڑی ہے۔ پہلی منزل میں محراب ہے نچلی منزل شاید آرام کرنے اور ٹھہرنے کی جگہ ہو گی انڈے کی شکل والی گنبد کے لحاظ سے شاید اس کو انڈا مسجد کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مسجد کی پہلی منزل کو بہت ہی نفیس نقش و نگار سے سنوارا گیا ہے لیکن نچلی منزل بغیر کسی نقش و نگار کے بالکل سادہ ہے۔ مسجد کے داخلی دروازے کے اطراف لگے کتبے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ تعمیر 1608ء میں ابراہیم عادل شاہ ثانی کے عہد میں ایک گھر والے، اعتبار خان نے کروائی۔

مہتر محل

پتھر کو موم کی طرح استعمال کر کے یہ خوبصورت عمارت مہتر محل تعمیر کیا گیا ہے۔ شاہی محل کے مشرق میں جمعہ مسجد کے راستے میں یہ عمارت پائی جاتی ہے۔ اس عمارت کو کس نے کس لئے بنوایا یقینی طور سے کہنے کے لئے کوئی ثبوت نہیں ملتے۔ ایک بڑی مسجد یا محل کے صدر دروازے کے طرز کی یہ عمارت بہترین نقش و نگار سے پُر ہے، اس کی برابری کرنے والی کوئی اور عمارت نہیں ہے۔ اس کی طرز تعمیر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کے دور میں تعمیر کی گئی تھی۔ 60 فٹ بلند مینار ہیں۔ داخلی دروازے سے ہی اندر جانے کے لئے سیڑھیاں بنے ہیں۔ مختلف نقش و نگار سے پُر کندہ شدہ سنگی منزلیں، بازو کی دیواروں میں بنوائے گئے سنگی بالکنیاں ان پر پھل پھول کے نقش و نگار تخت پر کندہ شدہ شیر ہاتھی وغیرہ ہندو طرز عمارت کے اثرات ظاہر کرتے ہیں۔

۴) محلات / باغات اور ذیلی شہر

دو مربع کلو میٹر محل کے اطراف گیارہ مربع کلو میٹر کا بیجاپور شہر اس کے اطراف چاروں طرف تقریباً 25 مربع کلو میٹر کے ذیلی شہر افضل پور، اللہ پور، آغا پور، ابراہیم پور، ایکٹا پور، اینا پور، خدیجہ پور، خدان پور، چندا پور، تکیہ، توڑ پور، نورس پور، پاچھا پور، فخر آباد، فتح پور، بمن ہلی، رمبھا پور وغیرہ ذیلی شہر ہیں۔ یہاں آباد بادشاہ، سردار، سپہ سالار اور اعلیٰ درجہ کے لوگ رہائش کے لئے

خوبصورت محلات، باغات وغیرہ بنوائے تھے آج ہر طرف ان کے کھنڈرات نظر آتے ہیں۔

عادل شاہی خاندان کے بانی یوسف عادل شاہ نے 6-1505ء فاروق محل بنوایا آج وہی عمارت ڈپٹی کمشنر کا دفتر ہے۔ اس کے بعد اس کا جانشین اسماعیل 21-1520ء میں چپا محل بنوانے کا حوالہ ملتا ہے لیکن اس کے کوئی آثار نہیں ملتے۔ ابراہیم اول نے 29-1528ء میں 16 ستونوں کا سولہ ستون محل بنوانے کا حوالہ بھی ملتا ہے۔ شہر بیجاپور میں بڑی تیزی سے محلات کی تعمیرات کا سلسلہ عادل شاہ اول کے دور میں ہوا اس نے 61-1560ء میں ہیرا محل 62-1561ء میں کنکن محل بنوایا تھا۔ اسی نے 1571ء میں گگن محل بنوایا۔ کنکن محل ہی شاید گگن محل ہو گا۔ ہیرا محل کا نشان نہیں۔ 1646ء میں گگن محل کی عمارت جل گئی۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی نے سات منزل محل 1583ء میں بنوایا اس سے قبل، بلند محل اور ہفت گگن کی عمارتوں کے لئے سنگ بنیاد بھی رکھے تھے اس کے حوالے ملتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اسی نے دل خوش محل بھی بنوایا تھا۔ اس کے علاوہ 1588ء میں آنند محل بنوایا۔

ابراہیم عادل شاہ ثانی 1600-1599ء نے نورس پور نامی ذیلی شہر کی تعمیر شروع کی اگلے پانچ سال کے عرصہ میں اس شہر کی تعمیر مکمل ہوئی۔ اس کا حوالہ ملتا ہے۔ 1602ء میں کلون کے بیٹے نے زہرہ پور تعمیر کروایا۔ 1649ء میں سلطان محمد عادل شاہ نے آثار محل بنوایا۔ اس کا ایک اور نام واد محل بھی تھا اس کا بیٹا علی عادل شاہ ثانی 1656ء میں حسنی محل، علی محل پھر تین سال بعد عرش محل بنوایا اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ بارہ اماموں کے لئے حسنی محل بنوایا گیا۔ علی محل صرف ساگوان کی لکڑی سے تعمیر کیا گیا تھا۔ وہ ہیلونیا کے خیبر ناک عمارت سے ملتی جلتی تھی وہ ایک جنت کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ رنگین علی محل تو بادشاہوں کو بادشاہوں کو جنتی خوشی عطا کرتی تھی۔ وہاں کے تصاویر، اس کی زیبائش تو کائناتی شہرت یافتہ تھی۔ نئی تعمیر کردہ چوطرہ تو اس کا زیور تھا یہ بات ہمعصر تواریخ ثابت کرتے ہیں۔ شاید یہ تمام باتیں شہر کے آثار محل میں دکھائی دیتے ہیں۔

شاہی قلعہ یا محلات کا ہجوم

شاہی قلعہ کے تقریباً ڈھائی کیلو میٹر محیط میں محلات کا ہجوم ہی ہجوم ہے۔ ان میں سے کثیر حصہ کو آج سرکاری دفاتر کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ ان عمارتوں کو ایک بادشاہ نے اپنے دور میں نہیں بنوایا۔ بلکہ عادل شاہی ریاست کے سبھی لوگوں نے محلات کی تعمیرات میں حصہ لیا۔ سلطنت کا بانی یوسف عادل شاہ اول نے جنوبی حصہ میں ایک ضخیم عمارت، فاروق محل، تعمیر کروایا۔ آج وہاں ضلعی افسر کا دفتر ہے۔ وسیع کانفرنس ہال اسی سے ملا جلا دو منزلہ عمارت میں دربار ہال شاید بادشاہ روزانہ اپنا دربار یہیں منعقد کرتا تھا۔ سامنے وسیع میدانی چبوترہ، ایک زمانے میں شاید وہاں انصاف کی کارروائی چلتی ہوگی۔ سلطنت کی وسعت کے ساتھ ہی آئندہ آنے والے بادشاہوں کے لئے شاید جگہ کی کمی محسوس ہوئی ہوگی۔ فاروق محل کو وسیع کر کے اس سے منسلکہ مغربی جنوبی حصہ میں ایک اور عمارت کھڑی ہوئی۔ شمال کے آخری کنارے میں وہ سات منزل سات منزلہ عمارت اس کے سامنے بیگمات کے نہانے کے لئے بنائی گئی۔ جل منزل جہاں پر اجنبی لوگوں کا داخلہ منع تھا اس کے قریب تقریباً دو سو میٹر کے فاصلے پر دربار چلانے کے لئے گگن محل تیار ہوا۔ اس سے بھی سیر ابی نہ حاصل کر کے خاص لوگوں کے اجتماع کے لئے آنند محل تعمیر کروایا گیا۔ اب جنوبی ہند کا ایک بڑا حصہ بیجاپور کے قبضہ میں آجانے کے بعد سیاسی بحث، فوجی عملہ انصاف وغیرہ تمام چیزیں وسیع پیمانے پر ہونی تھیں اس کے لئے 'عدالت محل'، 'آثار محل' تعمیر ہوئے۔ اس طرح عمارتوں کے تعمیرات کا سلسلہ بڑھتے بڑھتے تقریباً پون کیلو میٹر لمبی عمارتوں کا ہجوم ہی ہو جاتا ہے۔ ایک کونے میں فاروق محل میں انصاف کے لئے نکل جانے کے بعد مندرجہ بالا محلات کو کچھ فاصلے پر ہی پار کر کے جانے کے لئے جو انتظام کیا گیا تھا اس کو آج بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ عبادت گاہوں، مقابر کی عمارتوں میں دکھائی دینے والی سنگتراشوں کی دستکاری آج بھی ابھر کر دکھائی دیتی ہے۔

سات منزل

سات منزلہ عمارت میں آج صرف پانچ منزلیں بچی ہیں زمین سے تقریباً 97 فٹ اونچی دکھائی دینے والی عمارت اندرونی طرف سے دو تہہ کی دیواروں کے درمیان پانی کے پائپوں کے راستے بنے ہیں۔ منزلوں میں درجہ حرارت کو قابو میں رکھنے کے لئے یہ انتظام کیا گیا تھا۔ اس منزل کا ہر ایک کونہ کونہ ایک زمانے میں بہت ہی نایاب تصاویر سے مزین جس کا ثبوت یہ ہے کہ آج ہر کونے میں یہ رنگ دھیما دھیما سا نظر آتا ہے۔ 1854ء میں آنے والا سیاح جیمس بُرڈ کے کہنے کے مطابق بہت سے تصاویر اگرچہ کے نمایاں نہیں ہیں لیکن ایک جگہ محمد عادل شاہ کی تصویر ہے اس کے قریب ستار رکھا ہوا ہے سامنے پھولوں سے بھری ٹوکری اور بغل میں اس کی معشوقہ رمبھا کو اس نے صاف طور سے پہچانا تھا۔

سات منزل کے سامنے ایک چھوٹی سی گڑیا کے مانند دکھائی دینے والی 'جل منزل' فوارے کے حوض میں ایک مربع عمارت ایسی دکھائی دیتی ہے جس طرح محرم میں بنایا سنوارا ایک تابوت ہو۔ چاروں طرف خوبصورت کندہ شدہ کام ہے۔

سات منزل کے سامنے کنارے سے تھوڑی دور چلیں تو گگن محل دکھائی دیتا ہے 10168 مربع فٹ علاقے میں کھڑی ہے یہ شاندار عمارت بادشاہ کے خاندان کی رہائش اور دربار کے لئے بنوایا گیا۔ 80 فٹ چوڑا اونچا وسیع چبوترہ کے سامنے 61 فٹ چوڑی شاندار کمانیں دونوں بازوؤں میں اور دو چھوٹی کمانیں ہیں۔ دو منزلہ عمارت کی چھت گر چکی ہے اب چبوترے کی داہنی طرف سیڑھیاں بنی ہیں چھوٹے کونے بچے ہیں۔ سامنے آٹھ دس ہزار لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ پر آج مونسپالٹی کا باغ بنا ہے۔ یہاں اسی چبوترے پر کبھی بہادر ملکہ چاند بی بی بیٹھی حکومت کرتی تھی۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کا بیٹا محمد پوتا سلطان علی کے حکومت کرنے کے بعد آخری بادشاہ سکندر کے ہاتھوں مغلیہ بادشاہ اورنگ زیب کی بیڑیاں پہنانے کی جگہ بھی یہی ہے۔

5 مقابر

مقابر عام طور پر بہت ہی شاندار بنائے گئے ہیں۔ عادل شاہی خاندان کے تین بادشاہوں نے اپنے لئے شہرۂ آفاق مقبرے تعمیر کروائے ان میں سے دو مکمل ہوئے ہیں اور ایک نامکمل ہے ہمعصر تواریخ میں بقیہ بہتیری عمارتوں اور فن تعمیرات کی تفصیلات دی گئی ہیں لیکن آج شہرۂ آفاق عمارتوں کا حوالہ دیں تو اور بھی حیرت ناک بات ہے۔ سلطان محمد نے اپنی حین حیات میں ہی گنبد بنوایا تھا، اس کی تفصیلات گول گنبد کی تفصیلات میں ملتی ہیں۔ لیکن عمارت کی تفصیلات میں درکار وقت نہیں بتایا گیا ہے۔ اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ابراہیم عادل شاہ ثانی کو زہرہ پور میں دفن کیا گیا۔ حقیقی طور پر آگرہ میں تاج محل بنوانے کے لئے آمادہ کرنے والا ابراہیم روضہ کے نام کا حوالہ بھی نہیں ملتا اسی طرح کہا جاتا ہے کہ محمد کی قبر بادشاہ پور میں بنوائی گئی۔ علی عادل شاہ ثانی کی قبر قلعہ کے اندرونی حصہ شاہ پیٹ میں بنوائی گئی۔

بیجاپور میں سینکڑوں مقبروں کی عمارتیں پائی جاتی ہیں بادشاہوں، سرداروں، سادھو سنتوں وغیرہ کی ہر ایک اپنے اپنے ذوق کے مطابق مقبروں کی عمارتیں بنوائیں۔ ان میں ابراہیم روضہ، گول گنبد اور علی روضہ یا بارہ کمان نے فن تعمیر میں ساری دنیا میں شہرت حاصل کی۔

ایک فرضی کہانی کے مطابق ابراہیم عادل شاہ 1626-1580ء نفیس نقش ونگار کے فنکارانہ کمال کی عمارت ابراہیم روضہ تعمیر کروایا۔ اس کے بیٹے محمد عادل شاہ کو 1656-1626ء نفیس نقش ونگار کے فن کارانہ کمال دکھانے کا موقع نہیں ملا اس لئے باپ سے کچھ اور آگے بڑھ جانے کے ارادہ سے شاندار لیکن اتنی ہی سنجیدہ وسادہ عمارت گول گنبد بنوانا پڑا۔ اس کا بیٹا علی عادل شاہ ثانی 72-1626ء نے ان دونوں سے بڑھ کر اور عالی شان عمارت بنوانے کے ارادہ سے علی روضہ بنوانے کا منصوبہ بنوا کر عمارت کی تعمیر کا کام شروع کیا۔ بد قسمتی سے یہ کام پورا نہ ہو سکا۔ آدھورے کام کی ایک متواتر آواز بن کر، بارہ کمان ہو گیا۔ عمارت کی اور تعمیر شدہ عمارت کا رقبہ گول گنبد سے بڑا ہے اگر علی روضہ کی عمارت مکمل ہو گئی ہوتی تو شاید ساری دنیا کی وہ سب سے بڑی اور عالی شان عمارت ہوتی۔

ابراہیم روضہ

ابراہیم عادل شاہ ثانی نے اپنی قبر کے لئے جو عمارت بنوائی مجموعی طور پر دو اہم عمارتیں ہیں ایک مقبرہ اور دوسری مسجد 4000 مربع فٹ کے چبوترہ، 1200 مربع فٹ عمارت کا اندرونی حصہ 500 مربع فٹ۔ ساری عمارت عالی شان زیبائشی کام سے پُر ہے۔ اطراف ستونوں کی قطار، دو دو ستونوں پر ایک ایک کمان بنی ہے۔ ستونوں کا طرز، ہندو فن تعمیر ہے لیکن مسلم فن تعمیر میں پہلی مرتبہ دکھائی دیتا ہے۔ دیواروں کے باہری حصہ میں ایک کمانی راستہ اور اس سے جڑی ایک اور کمان ہے۔ عمارت کے باہری حصہ میں قرآن مقدس کے آیات خوبصورت کتابت شدہ مختلف نمونوں میں کندہ کاری ہیں۔ چاروں دیواروں میں برابری کے کمانوں میں کھڑکیاں بنا کر خوبصورت کندہ سے کمانوں کی طرز کے جالیاں رکھی گئی ہیں۔ چار دیواروں کے درمیان جو دروازہ کھڑکی اور ان پر جو جالیاں لگے ہیں ان سے اندر آنے والی دھندلی روشنی میں قبروں کی قطار بڑے بڑے چٹان نما پتھروں سے بنائی ہوئی 50 فٹ مربع اور سپاٹ فن تعمیر کا معجزہ دکھائی دیتی ہے۔ اس عمارت میں جو کندہ کاری کی زیبائش کے فن کا مظاہرہ کیا گیا ہے وہ آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے۔ بازو کی مسجد بھی اتنی ہی خوبصورت بنوائی گئی ہے۔ کالے پتھروں میں بنائی گئی عمارتیں حجم میں بڑی نہیں ہیں لیکن ان کی بناوٹ، ٹکنک، آرائش وزیبائش اور کامل ہونے میں اس کی کوئی مثال نہیں۔

ابراہیم روضہ میں جو قبریں ہیں ابراہیم عادل شاہ ثانی اور اس کی بیوی تاج سلطانہ اس کی بیٹی اور دو بیٹے اور ان کی ماں حاجی بڑی بی صاحبہ کی ہیں۔

جنوبی دورازہ کے کتبہ کے مطابق تاج سلطانہ کا انتقال 1634ء میں ہوا یعنی اپنے خاوند ابراہیم کے انتقال کے آٹھ سال بعد ہوا۔ عمارت کا کاریگر ملک صندل ہے اور اس عمارت پر کل 1,50,600 ہنس (سکہ رائج الوقت) خرچ ہوئے یہ ساری باتیں کتبہ میں درج ہیں۔

شمالی رخ کے دروازے پر نصب کتبہ عمارت کی مبالغہ آمیز تعریف کرتا ہے۔ اس روئے

زمین پر ابراہیم روضہ کی عمارتیں جب کھڑی ہوئیں تو جنت بھی شرم سے پانی پانی ہو کر ایک اور جنت ہی زمین پر اتر آئی۔ جنتی باغات یہاں کے باغات سے آرائش وزیبائش قرض مانگ کر لے گئے وغیرہ تعریف کرتے ہوئے آگے کہتا کہ یہ مقبرہ ابراہیم عادل شاہ نے اپنی بیوی تاج سلطانہ کی یاد میں 1626ء میں تعمیر کروایا۔ بد قسمتی سے ابراہیم کا انتقال اسی سال ہو جانے کی وجہ سے پہلے اسی کی قبر بنی۔ آٹھ برس بعد جب اس کی بیوی کا انتقال ہوا تو اسی کے پہلو میں اس کو دفنایا گیا۔ حقیقت میں اپنی بیوی تاج سلطانہ کے لئے تعمیر کردہ یہ عمارت 'تاج محل' کے نام سے مشہور ہوئی تھی لیکن ابراہیم روضہ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ اگلے چار سال بعد تعمیر کرنے کا کام شروع ہونیوالا آگرہ کے تاج محل کے لئے ابراہیم روضہ ایک نمونہ بنا۔ یہاں پہلی بار شکھ نمایا کنول کی پتیوں کے نمونے کے گنبد تاج محل میں بڑے پیمانے پر بنوائے گئے یہی اس کا ثبوت ہیں۔ شاہ جہاں نے شاید تاج محل کے بنواتے وقت شاید اپنے کاریگروں سے ابراہیم روضہ کی بناوٹ کے بارے میں تبادلہ خیال کیا ہوگا۔ اتنا ہی نہیں شاید جنوبی ہند کے انہیں کاریگروں کو دہلی اور آگرہ کی عمارتیں بنوانے کے استعمال بھی کیا ہوگا۔

گول گنبد

بیجاپور کا نام لیتے ہی سب سے پہلے یاد آنے والی چیز گول گنبد ہے۔ شہر میں کسی بھی رخ سے داخل ہونے پر سب سے پہلے دکھائی دینے والی گول گنبد ہے۔ دور سے ایک چھوٹے گنبد کی طرح دکھائی دینے والا نزدیک آتے آتے زمین سے آسمان تک پھیلا دکھائی دینے والا شاندار گنبد دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی کا بیٹا محمد عادل شاہ 1656-1626ء اپنی قبر کے لئے بنائی گئی عظیم عمارت 205 فٹ لمبی 205 فٹ چوڑی اور 200 فٹ اونچی ہے اور یہ گنبد دنیا میں سب سے بڑا گنبد ہے۔ ایک خاص تکنیک کو اپنا کر باہمی آٹھ کمانیں بنا کر زمین سے 90 فٹ اُونچا ایک ہشت پہلو زاویہ بنوایا گیا ہے۔ گنبد کا قطر 125 فٹ یہ دنیا میں سب سے بڑا گنبد ہے۔ گنبد کے نیچے اس کا اندرونی حصہ 21 فٹ چوڑا دائرہ نما ایک اونچا چبوترا جس پر ایک بھرا ہوا ٹرک آسانی سے جا سکتا ہے۔ گنبد کا باہری قطر 144

فٹ ہے دیوار دس فٹ موٹی۔ ایک دیوار پر بیٹھے آدمی کی کھسر پسر یا گھڑی کی ٹک ٹک کی آواز بالمقابل دیوار پر بیٹھ کر آسانی سے سنی جا سکتی ہے۔ اور یہاں کی ایک آواز سات یا آٹھ مرتبہ گونجتی ہے۔ یہ انجینئرنگ کا بہت بڑا عجوبہ ہے! گول گنبد اپنے ضخیم حجم، محدود زیبائش، ہوشیار بناوٹی تکنیک، مخصوص فن تعمیر کے باعث ہندوستانی فن تعمیرات کی تاریخ میں اس کا ثانی کوئی نہیں ان بنیادوں پر اس نے دنیا کے عجائبات میں اپنی جگہ بنالی ہے۔

گول گنبد ابراہیم روضہ ان مقبروں کے علاوہ بھی اور بھی بہت سے مقبرے موجود ہیں ان میں نامکمل مقبرہ علی روضہ کی عمارت ہے۔ ایک عجیب خواب کے ساتھ علی عادل شاہ ثانی نے جس مقبرہ کی عمارت کی شروعات کیں اس کی بنیادیں اور ڈھانچہ گول گنبد سے بھی زیادہ ہے۔

مشہور فن کا نقاد جیمس فرگوس اپنی کتاب بھارت اور قدیم فن تعمیرات میں بیجاپور کے فن تعمیرات پر اور خصوصی طور پر ابراہیم روضہ کے بارے میں یوں کہتا ہے۔

"معجزاتی حسین تخیل میں تعمیری رابطہ میں گول گنبد کو نفیس اور فنکاری آرائش کی دولت میں ابراہیم روضہ کی برابری کرنے والی کوئی مسلم عمارت سارے بھارت میں نہیں ہے۔ ہمایوں اور اکبر کے مقبرے بھی ان عمارتوں کے قرب میں بھی نہیں آسکتے۔ آگرہ کا تاج محل سب سے بہترین ہے چند لوگ کہہ سکتے ہیں لیکن اس طرح کا تقابل کرنا درست نہیں کیونکہ تاج محل کے سنگ مرمر اور اس میں بنائے گئے رنگین قیمتی پتھروں کی آرائش وزیبائش جمنا کنارے پر رقص کرنے والی اس کی ہیئت اس کے اطراف واکناف میں پھیلے خوبصورت باغات اور اس میں لگے فوارے ان کے ذریعے تاج محل کے ایک مکمل خوبصورتی دل میں ایک خوشی پیدا کرتے ہیں سچ ہے۔ لیکن ان اسباب کے بنا ہماری تقابلی نظر میں ڈھول جھونک ہمارے فیصلے میں گمان پیدا کرتے ہیں۔ سنگ مرمر، قیمتی پتھروں کی آرائش جمنا کنارے کا باغ فوارے وغیرہ کی سہولت اگر ہوتی تو تاج محل سے زیادہ عظیم الشان اور خوبصورت عمارتیں بیجاپور کے سنگتراش و معمار تیار کر سکتے تھے اس میں کوئی شان و گمان نہیں۔

عجائب گھر

ایک سو سال کی تاریخ رکھنے والے بیجاپور کے قدیم عجائب گھر بھارت کے لئے کرناٹک کی ایک عظیم دین ہے۔ اس سو سال میں اس نے بہت سے اونچ نیچ دیکھے۔ ایک صدی قبل ایک چھوٹے پیمانے پر بنا یہ عجائب گھر آج سارے ملک میں علاقائی طور پر شروع ہونے والا یہ عجائب گھر، عجائب گھروں میں سب سے قدیم اور اپنے سرمایہ میں سب سے اعلیٰ ہے۔

1885ء میں بیجاپور کا صدر مقام ہونے پر سرکاری دفاتر کے لئے ضروری عمارات کی تعمیر وغیرہ کے لئے برٹش سرکار نے عادل شاہی بیجاپور کو اپنی ضرورت کے مطابق تبدیل کرلیا کئی ایک عمارات جو ایک صدی سے پرانے تھے انہیں گرادیا گیا۔ قلعہ کے چند برج دیواریں نئی عمارتوں کے لئے گرے تو اس کی زمین کی کھدائی کے وقت قیمتی فنکارانہ چیزیں ملیں۔ ملنے والی ان چیزوں کو جب ایک جگہ جمع کر کے رکھنے کا منصوبہ بنا تو پچھلے ایسے منصوبوں کے لئے محرک رہے ڈاکٹر جیمس برگ، ہینری کسن وغیرہ اب باقاعدہ عملدر آمد ہوئے اسی کا نتیجہ تھا کہ چند ہی دنوں میں آنند محل کی عمارت کے عقب میں ایک چھوٹی سی عمارت میں 1892ء میں قدیم چیزوں کے عجائب گھر کا جنم ہوا۔ اگلے دنوں میں جمع ہونے والی چیزیں جب زیادہ ہوئیں اور جگہ کی کمی محسوس ہونے لگی تو عمارت سے عمارت کا ان کا تبادلہ ضروری ہوگیا۔ اس حال میں مجتمع چیزیں گر کر ٹوٹنے ان مشکلات کے پیش نظر آخر کار بہت زیادہ پھیلے ہوئے عجائب گھر موجودہ وسیع عمارت کو تبدیل کردیا گیا۔

اب کی یہ عمارت عادل شاہیوں کے دور میں نقار خانہ یا نگار خانہ کہلاتی تھی۔ ایک بنیادی منزل رکھنے والی یہ سنگین عمارت بنیادی منزل ملا کر ایک منزلہ ہے۔ دنیا کے مشہور گول گنبد کے جنوبی سمت میں تقریباً چار سو فٹ دوری پر یہ خوبصورت نقار خانہ کھڑا ہے۔ گول گنبد کے سامنے والے اسٹیشن کے راستے سے دیکھا جائے تو یہ نقار خانہ گول گنبد کے اندر سما چکا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے لیکن کائنات فن تعمیرات میں گول گنبد نے اپنی جس خوبصورتی کے لحاظ سے جگہ پائی ہے اس کو کہیں نظر نہ لگ جائے اسی

لئے ایسا بنایا گیا ہے یہ مقامی لوگوں کا کہنا ہے۔ گول گنبد کے تعمیر کے وقت وہاں نگرانی کے لئے آنے والے بادشاہوں کے آرام کے لئے یہ عمارت بنوائی گئی تھی اس میں بادشاہ کے آمد کی اطلاع کے طور پر یہ نقارہ بجایا جاتا۔ تاریخ یہ بات مستحکم ذرائع سے بتاتی ہے۔

نقار خانہ مکمل طور پر نہیں بنا ہے۔ شاید اس کے مکمل ہونے کے اندر اندر شاید کوئی رکاوٹ کھڑی ہوگئی ہو لیکن اس عمارت کا اوپری حصہ آج بھی نامکمل ہے۔ آگے ابھرے ہوئے فنکارانہ زاوئے کے نوکدار حصوں پر عادل شاہی فن تعمیرات اپنے مذہب کے مطابق چاروں زاویوں پر آسمان کو چھو لینے والے مینار بنوانے کا ارادہ تھا لیکن یہ پورا نہ ہوا۔ نیم سرخ رنگ کی خوبصورت سنگین عمارت کو عجائب گھر میں تبدیل کرتے وقت بالائی منزل میں بڑے پیمانے کی دیواروں کھڑکیوں کو دروازوں میں تبدیل کرتے وقت بھی برٹش سرکار نے کچھ بھی کر کے ہاتھ نہیں دھولئے بلکہ پوری توجہ کے ساتھ ان کھڑکیوں کی ساخت کو برقرار رکھا۔ بیجاپور میں ایک اور مشہور عمارت آثار محل کی کھڑکیوں کے خوبصورت پلان کو اسی کے لئے نقل کی گئی۔ نتیجے میں طلوع ہونے والے سورج کے ساخت کی یہ کھڑکیاں آج بھی کھڑی دیکھ رہی ہیں۔ اپنے دلفریب جالیوں سے لوگوں کو اپنی طرف راغب کررہے ہیں۔

عجائب گھر کی بنیادی منزل میں زائد ذخیرہ کو رکھا گیا ہے۔ عمارت میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلی منزل میں شمالی کرناٹک کے مختلف علاقوں سے خاص کر بیجاپور اور اس کے اطراف واکناف میں ملی قیمتی اور نایاب چیزوں کو رکھا گیا ہے۔

گیارہویں صدی کے ہشت ہاتھوں کے نتراج کی مورتی شکستہ ہونے پر بھی اپنے دلآویزی سے ہمارا دھیان کھینچتی ہے۔ شیوا اپنے گروہ کے ساتھ رقص کرتا ہوا سنگین دروازہ کی آرائش، جنگی بگل بجاتا مردنگ بجانے والے ابھرے مجسمے، کرناٹک کی مجسمہ سازی کی مہارت اور رسم ورواج کی علامت ہیں۔

ساتویں آٹھویں صدی کے ویرگل اور کتبے کنڑی گاؤں کی بہادری کا پکار پکار کر اعلان کررہے ہیں۔ مساوی ٹکڑوں میں پایا جانے والا نایاب کیشوشلپ، بیر بھدرا کی خوبصورت مورت 14ویں صدی

میں کالے پتھر میں کندہ کی ہوئی چار شوناتھ کی مورت ان سب چیزوں نے عجائب گھر کی قدر و قیمت و وقعت میں اضافہ کیا ہے۔ اس کے عقب میں چھٹویں صدی میں منگلیش کا بنایا نایاب وجے ستمبھ موجود ہے۔ زمین سے چھت تک کھڑا یہ ستون بادامی کے قریب مہاکوٹ سے یہاں لایا گیا تاریخی نقطہ نظر سے اس پر کندہ کیا ہوا کتبہ بہت ہی نادر اور قیمتی ہے۔

اس عجائب گھر کی چیزیں ایک نہ ایک حیثیت سے اہم ہیں۔ 1076ء میں بیجاپور کے سویم بھوسدیشور مندر کو چالوکیہ وکرمادتیہ نے جو انعام واکرام عطا کئے تھے اس کی تفصیل بتانے والا کتبہ آج بھی یہاں محفوظ طور پر رکھا گیا ہے۔ اگر ہار کی تاریخ میں اہم سالونگی اگر ہار کو (مدرسہ) خیرات دی گئی ستونی کتبہ بھی ہے۔ نیچے مربع صورت میں بنا اوپر جاتے جاتے نوکدار یہ خیراتی کتبہ سہ رخی سنسکرت میں ہے اور نیچے کنڑ ارسم الخط میں ہے۔

ناظرین کا من موہنے والا، 17 ویں صدی عیسوی کے کالے پتھر کے کتبے، ان پر کندہ عربی فارسی رسم الخط کی کتابت کے یہ عظیم نمونے یہیں کے ہیں اور بڑے خوبصورت ہیں، پھولوں کی جالیاں آج بھی استعمال میں لائی جاسکتی ہیں، پتھر کی بڑی بڑی زنجیریں وغیرہ یہ ساری چیزیں نچلی منزل کے ذخائر میں ہیں جن پر بجا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے۔

32 چھوٹی چھوٹی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر جائیں تو سیاحوں کو پہلی منزل میں عادل شاہی دور کی چیزیں دکھائی دیں گی۔ فنکارانہ دلچسپی کے ساتھ اور ماہرانہ طور پر بنائی گئی نایاب تاریخی چیزیں یہاں رکھی گئی ہیں۔ عجائب گھر کے ماہرین کی نظر میں کروڑہا روپیہ کی قیمت پانے والی مختلف چیزیں یہاں عادل شاہی دور کے متمول تہذیبی روایات کی کہانی سنا رہے ہیں۔

سترھویں صدی میں لکھے گئے بیجاپور کے قلعہ اور شہر کا ایک نقشہ بھی یہاں موجود ہے۔ پانچ فٹ لمبے اس نقشے میں سرخ پیلا نیلا کالا وغیرہ چند ہی روشن رنگوں کا استعمال کر کے صدر مقام رہنے والے بیجاپور کا نقشہ تیار کیا گیا ہے۔

آٹھ عادل شاہی بادشاہوں کے سفید کالے تصویریں، بیجاپور پر اس وقت حکومت کرنے والے بادشاہوں کی طرز زندگی کو ظاہر کرنے والے چینی کے برتن صراحی سنہری رنگوں کے استعمال سے تیار شدہ 17 ویں صدی کے تصاویر پردہ نشین حرم کی زندگی کو ہمارے سامنے پہلی بار لاتی ہیں۔ دکھنی طرز کے ان اعلیٰ چکنی تصاویر میں چاند بی بی، عاروسہ بی بی اپنے پیارے سلطان کے لئے گول گنبد کے کھسر پھسر گیالری سے کود کر جان دینے والی ہندور قاصہ رمبھاوتی وغیرہ خواتین کی دلچسپ تصاویر ہیں۔

سونا، سرخ اور نیلے رنگوں سے ہاتھ کے لکھے چند قرآن 1604 کے زمانے کے ہیں ان قلمی قرآنوں پر چمڑے کی خوبصورت جلد چڑھائی گئی ہے۔ تاریخی اہمیت کے نثری اور منظوم کتابیں بزمیہ نظمیں (مثنویاں) سلاطین کے مہر لگے اسناد و فرامین بہت محفوظ طریقے سے کانچ کی الماریوں میں اچھی طرح سے دیکھنے کے لئے رکھے گئے ہیں۔ جو سیاح یہاں آتے ہیں حیرت میں آکر کھڑے ہوتے ہیں تو بھارت ہی میں تیار شدہ ہنڈوں[1] کے سامنے۔ پندرہویں سولہویں صدی میں تیار ہونے والے یہ چینی ہنڈوں سے ملتے جلتے ہیں۔ تیل اچار وغیرہ کے ذخیرہ کرنے کے لئے ان کا استعمال ہوتا تھا۔ ضلعی افسر کے دفتر کے تبدیلی کے وقت فاروق محل اور آج کے پولیس کے اعلیٰ افسر کی رہائشی جگہوں سے ان کے ملنے کے باعث انہیں چینی محل نام پڑ چکا ہے۔

بیدری صنعت کا استعمال یہاں زندہ دکھائی دیتا ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ دھونے والے لگن پھولدان، پیک دان، رئیس خواتین کے استعمال میں رہ چکا آرائشی زیورات کا ڈبہ رنگین تصاویر سے سجے سجائے تالے کے پتوں کے پنکھے وغیرہ آج بھی لائق استعمال ہیں۔ جنگی اسلحہ کے ذخیرہ میں اس زمانے میں سردار، راجے وغیرہ جنگ میں استعمال کرنے والی نیم حفاظتی زرہ، سر تا پا حفاظت دینے والے فولادی زرہوں کے ساتھ ساتھ شہر کے مختلف حصوں سے جمع کئے ہوئے آٹھ توپیں یہاں پر رکھی ہوئی ہیں۔ ان توپوں کے ساتھ توپ گولے بھی بیٹھ کر بیجاپور کے ہار جیت کی کہانی سنا رہے ہیں۔ وسیع کانچ کے الماریوں میں ایرانی قالینیں اور اون کی شطرنجیاں وغیرہ کی چھوٹی موٹی مرمت کر کے ان کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ سارے عجائب گھر میں شہر کے مختلف یادگار نشانیوں کے تصاویر لٹکائے گئے ہیں۔

---

[1] پانی بھرنے کا بڑا برتن ہنڈا، جمع ہنڈے

ضمیمہ

شہر بیجاپور کے چند کھنڈرات کی فہرست

مسلم عمارتیں

1) فاروق محل	15) آنند محل
2) چاندپور	16) تاج باؤلی
3) چمپا محل (کہاں واقع ہے پتہ نہیں)	17) ابراہیم روضہ
	18) سنگیت محل (نورس پور توروے)
4) ابراہیم پور	19) بیگم تالاب
5) قدیم جمعہ مسجد	20) آثار محل
6) پانی کے مینار	21) گول گنبد
7) چاند باؤلی	22) ملک میدان توپ
8) علی عادل شاہ کا مقبرہ	23) علی روضہ یا بارہ کمان
9) گگن محل	24) کریم الدین مسجد
10) شاہی قلعہ کی اور شہر کے قلعہ کی دیواریں، خندقیں، برجیں	25) مکہ مسجد
	26) موتی گنبد (اتھنی راستہ)
11) جمعہ مسجد	27) دکھنی عیدگاہ
12) علی شاہد پیر مسجد اور مقبرہ (بڑی کمان کے قریب)	28) عین الملک مقبرہ (شہر کے مشرقی حصہ میں)
	29) بخاری مسجد
13) سات منزل	30) مصطفیٰ خان مسجد

14) ملکہ جہاں	39) شاہ نور خان کا مقبرہ (درگاہ راستہ)
31) حیدر برج یا اپلی برج	40) یاقوت دابلی مقبرہ (عدالت محل کے قریب)
32) نوگنبد	41) مبارک خان محل (جمعہ مسجد کے جنوب میں)
33) انڈا مسجد	42) نواب مسجد۔ بڑی کمان
34) بات اللہ خان مسجد (بڑی کمان کے قریب)	43) چھوٹا آثار
	44) شاہ عبدالرحمٰن قادری وخان محمد کا مقبرہ (جوڑی گنبد)
35) حاجی حسن مقبرہ (جمعہ مسجد کے قریب)	
36) مہتر محل	45) عبدالرزاق قادری درگاہ (جمعہ مسجد کے قریب)
37) جل منزل	
38) سبز پتھر کا مقبرہ (سقاف روضہ)	

ہندو عمارتیں

1) سندریشور مندر (ہلے پیٹ)	2) شاہی قلعہ کے ہندو کھنڈرات
3) شاہی قلعہ نرسمہاسر سوتی مندر	4) قدیم وٹھوبن مندر
5) وجیہ وٹھل مندر (جمعہ مسجد گلی)	6) ابراہیم پور وینکٹیشور مندر
7) توروے شری لکشمی نرسمہا مندر	

ضمیمہ II

عادل شاہی خاندان کے بادشاہ

(1489 تا 1689ء)

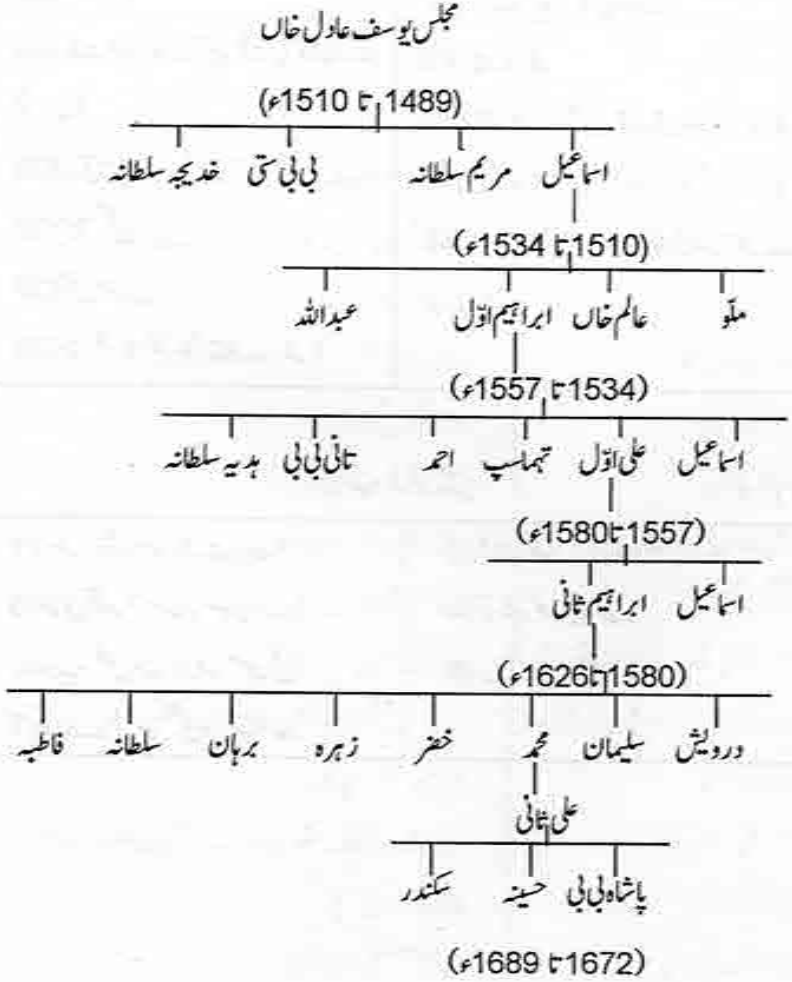

اولیائے بیجاپور

صوفی یا درویش مذہبی اور اخلاقی عالم میں ایک حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ملک وملت سے بے نیاز ہر قوم اور ہر مذہب میں پایا جاتا ہے۔ رسم وظاہر داری دلوں کو مردہ کر دیتی ہیں صوفی اس کو روا نہیں رکھتا اور اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا ہے۔ وہ انسانوں کے باطن کو دیکھتا ہے، لفظوں کو نہیں معنی کو دیکھتا ہے وہ رسمیات اور تقلید سے بیزار لیکن صوفی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ برے سے برے میں بھی بھلائی کا پہلو ڈھونڈ نکالتا ہے، مہر ومحبت سے کام لیتا ہے۔ نرمی وملائمت اس کا شیوہ ہے ہمیشہ درگزر سے کام لیتا ہے فروتنی اور خاکساری سے دلوں میں گھر کرتا ہے۔ ہمیشہ اپنے نفس کا محاسبہ کرتا ہے اور اپنے عمل سے دوسروں کو لبھاتا ہے۔ ہر ایک کے رنگ طبیعت کو دیکھتا ہے اور جیسی جس کی طبیعت کی افتاد ہوتی ہے اسی ڈھنگ سے اس کی تربیت کرتا ہے اصل صوفی بہت بڑا ماہر نفسیات ہوتا ہے باوجود یہ کہ وہ دنیا سے یک گونہ بے تعلق رہتا ہے لیکن زمانے کی نبض کو پہچانتا ہے دلوں کو ٹٹولتا ہے اور اسی پر بس نہیں کرتا بلکہ دلوں کی تہ تک پہنچ جاتا ہے جہاں انسان کے اصل اسرار چھپے اور دبے رہتے ہیں اور اسی میں اس کی جیت ہے اس کے بعد وہ نفس کی چوریاں بہ آسانی خوش اسلوبی اور لطف سے پکڑتا ہے اور ان کی اصلاح کرتا ہے کہ بعض اوقات مرید کو خبر نہیں ہونے پاتی اس کا سب سے بڑا اور مقدم اصول دلوں کا ہاتھ میں لانا ہے اور اس مقصد کے حصول میں وہ کسی ظاہری رکاوٹ کی پروا نہیں کرتا اور سب کو توڑ کر رکھ دیتا ہے اور یہ صحیح بھی ہے۔ جب دل ہاتھ میں آگیا تو گویا سب کچھ مل گیا کسی دل کا ہاتھ میں لانا ایک نئی دنیا کے فتح کرنے سے کم نہیں ہے یہ جو مشہور ہے کہ "دل بدست آور کہ حج اکبر است" یہ صوفی ہی کا قول ہے اور صوفی ہی اس پر عمل کر سکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علماء وامراء بلکہ حکومتوں اور بادشاہوں سے بھی وہ کام نہیں ہو سکتا جو فقیر اور درویش کر گزرتے ہیں۔ بادشاہ کا دربار خاص ہوتا ہے اور فقیر کا دربار عام ہے جہاں بڑے چھوٹے امیر

غریب عالم جاہل کا کوئی امتیاز نہیں ہوتا۔ بادشاہ جان ومال کا مالک ہے لیکن فقیر کا قبضہ دلوں پر ہوتا ہے اور اس لئے ان کا اثر محدود ہوتا اور ان کا بے پایاں اور یہی سبب ہے کہ درویش کو وہ قوت واقتدار حاصل ہو جاتا تھا کہ بڑے بڑے جبار اور باجبروت بادشاہوں کو بھی اس کے سامنے سر جھکانا پڑتا تھا۔

مسلمان درویش ہندوستان میں پر خطر اور دشوار راستوں اور سر بفلک پہاڑوں اور لق ودق بیابانوں کو طے کر کے ایسے مقامات پر پہنچے جہاں کوئی اسلام اور مسلمانوں کے نام سے بھی واقف نہ تھا اور جہاں ہر چیز اجنبی اور ہر بات ان کی طبیعت کے خلاف تھی جہاں کی آب وہوا رسم ورواج، صورت شکل، آداب واطوار، لباس، بات چیت غرض کہ ہر چیز ایسی تھی کہ ان کو اہل ملک سے اور اہل ملک کو ان سے وحشت ہو لیکن حال یہ ہے کہ انہیں مرے صدہا سال گزر چکے ہیں لیکن اب بھی ہزاروں لاکھوں بندگان خدا صبح وشام ان کے آستانوں پر پیشانیاں رگڑتے تھے اور جن جن مقامات پر ان کے قدم پڑتے تھے وہ اب تک شریف اور مقدس کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ یہ کیا بات تھی کہ ان کے پاس دلوں کے کھینچنے کا وہ سامان تھا جو نہ امرا وسلاطین کے پاس ہے اور نہ علماء وحکماء کے پاس۔

لیکن دلوں کو ہاتھ میں لانے کے لئے سب سے پہلے ہم زبانی لازم ہے ہم زبانی کے بعد ہم خیالی پیدا ہوتی ہے۔ درویش کا تکیہ سب کے لئے کھلا تھا بلا امتیاز ہر قوم وملت کے لوگ ان کے پاس آتے اور ان کی زیارت اور صحبت کو موجب برکت سمجھتے عام وخاص کی کوئی تفریق نہ تھی، خواص سے زیادہ عوام ان کی طرف جھکتے تھے۔ اس لئے تلقین کے لئے انہوں نے جہاں اور ڈھنگ اختیار کئے ان میں سب سے مقدم یہ تھا کہ اس خطہ کی زبان سیکھیں تاکہ اپنا پیغام عوام تک پہنچا سکیں۔ چنانچہ جتنے اولیاء اللہ سرزمین ہند میں آئے یا یہاں پیدا ہوئے وہ باوجود عالم وفاضل ہونے کے (خواص کو چھوڑ کر) عوام سے انہیں کی بولی میں بات چیت کرتے اور تعلیم وتلقین فرماتے تھے۔ یہ بڑا گر تھا اور صوفیا اسے خوب سمجھتے تھے۔

مندرجہ بالا تذکرہ کا مقصد صرف اتنا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان صوفی اور اہل اللہ جو ہدایت اور تلقین پر مامور تھے اور جن کا اثر اہل ملک پر پڑا تھا وہ سب ہندی جانتے تھے۔

شمس العشاق شاہ میراں جی (ولادت ۸۱۰ھ وفات ۲۵ شوال) (متوفی ۹۰۴ھ مطابق ۱۴۹۸ء

نام امیر الدین عرف میراں جی۔ آپ مکے میں پیدا ہوئے اور کچھ دنوں بعد ہندوستان آئے حضرت شاہ کمال الدین مجرد بیابانی سے بیعت ہوئے۔ شاہ کمال الدین کو شاہ جمال الدین سے بیعت تھی اور وہ حضرت سید محمد حسینی گیسو دراز کے مرید تھے۔ شاہ میراں جی بڑے بابرکت بزرگ تھے انہوں نے بیجاپور میں ایک خاندان کی بنیاد ڈالی جس میں ان کے جانشین یکے بعد دیگرے کئی پشت تک بڑے صاحب علم اور صاحب ذوق ہوئے اور انہوں نے ہندوستانی زبان کو اپنی زبان سمجھا اور اسی زبان میں سلوک ومعرفت پر متعدد رسالے اور نظمیں لکھیں۔ اس خاندان کے مریدوں اور معتقدوں نے بھی اپنے مرشدوں کی پیروی میں اسی زبان کو اپنی تصنیف وتالیف کا ذریعہ بنایا یہ اسی مبارک خاندان کا اثر تھا کہ بیجاپور میں زبان کو اس قدر فروغ ہوا اور وہاں ایسے ایسے خوش بیان اور بلند خیال شاعر پیدا ہوئے جن کی نظیر اُردو کے شاعروں میں بہت کم ملتی ہے۔

اس خاندان کے کسی مرید ومعتقد نے اس خاندان کے بزرگوں کے تمام کلام کو خاص اہتمام اور احتیاط سے ایک جگہ کر دیا جس میں شاہ میراں جی کے کئی رسالے ہیں اس قلمی مجموعہ کا سنہ کتابت ۱۰۶۸ھ ہے۔

اس رسالے کا نام شہادت الحقیقت یا شہادت التحقیق ہے یہ خاصی بڑی نظم ہے۔ نظم میں پہلے حمد، پھر نعت کے اشعار، منقبت، پیر کا ذکر اور اس کے بعد تصوف کی باتیں ہیں۔ ہندی زبان میں لکھنے کی وجہ اور معذرت اس طرح بیان کرتے ہیں کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو عربی جانتے ہیں نہ فارسی ان کے لئے ہندی میں یہ باتیں لکھی گئی ہیں ظاہر پر نہ جانا چاہئے باطن کو دیکھنا چاہئے۔ جیسے مٹی چھان کر سونا نکالتے ہیں اسی طرح بات کے مغز کو لو، لفظوں پر خیال نہ کرو وہ اسے گھر بھاگا کہتے ہیں یعنی وہ زبان جو گھورے پر کی ہے اس سے ظاہر کہ اس وقت اہل علم کی نظروں میں اس کی کیا قدر ومنزلت تھی لیکن

ساتھ ہی کیا اچھی تشبیہ دی ہے وہ کہتے ہیں یہ سمجھ لو کہ گھورے پر بارش ہوئی اور وہاں کسی کو چمکتا ہوا ہیرا مل گیا۔ یہ زبان گویا گھورے کا ہیرا ہے کوئی معقول آدمی اس ہیرے کو گندہ سمجھ کر پھینک نہیں دے گا۔ کتاب کا نام اور اس خوبیاں مندرجہ ذیل اشعار میں بیان کئے ہیں۔

اس نام ہے تحقیق — سن شہادۃ التحقیق
اس کا مغز دریا — جے دیکھ نت رہے بھریا
سب ہیروں کیری کھان — ناموں تیوی کیری دان
جے غواص بودھ سیوے — تو سالم سودھا لیوے
جے ہوئے گا مچھارا
کیا جانے گا بچارا

اس کے بعد تصوف کے مسائل بیان کئے ہیں اور یہ سب سوال جواب کے طرف میں سوال طالب کی طرف سے اور جواب مرشد کی جانب سے۔ اس میں کل 1108 اشعار ہیں سب سے طویل ترین مثنوی ہے ان کا ایک اور رسالہ ہے "خوش نامہ" یہ بھی منظوم ہے اور اس میں کچھ 170 دوہے یا شعر ہیں۔

اس خوش نامہ دھریا نام دوھا ایک سو ستر

خوش یا خوشنودی شاید ایک فرضی لڑکی کا نام ہے یا آپ کی کوئی عزیز، جس کے لئے یہ نظم لکھی گئی اور اول اس کا نسب نامہ بیان کیا ہے پھر اس کے سبھاؤ کا ذکر کیا ہے کہ وہ بھولی بھالی ہے ستونتی ہے سب کی پیاری ہے۔ دوسری لڑکیوں کی طرح بناؤ سنگار نہیں کرتی بلکہ دل میں خدا کی لگن ہوتی ہے اور اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ جب لوگ اسے بے پروائی اور بے نیازی کا طعنہ دیتے ہیں تو جواب دیتی ہے کہ ہمیں یہی رنگ بھاتا ہے اور ہمیں دنیا اور اس کے عیش و آرام سے کچھ کام نہیں۔ اس کے بعد پیر کی تعریف اور اچھے برے پیر کا امتیاز بیان کیا ہے۔ پیروں کے صفات اور ان کے کرتوتوں کا ذکر برابر چلا جاتا

ہے آخر وہ میراں جی سے عرض کرتی ہے کہ میرے حال پر توجہ کیجئے۔ مجھے دنیا اور اس کی لذتوں سے کچھ غرض نہیں۔ میں تو تمہارے پریم کی پیاسی ہوں اور تم ہی سے میری آس ہے وہ خدا کی حمد کرتی ہے اور اس سے مناجات کرتی ہے۔

تو رحمان رحیماں میرا مہر محبت بھریا — میں تو باندی بروا تیری تیں مجھ ہاتھوں دھریا
نامیں کیتی بندگی تیری نادھر کیتی یاد — دائم کیتی آگل تیرے سنگوں تھے فریاد
تین بھی میرا لاڈ چلایا کھو نہ ہوا اداس — آپ سندیسا توڑ گسائیں تیری منجھ کو آس

یہ دعا قبول ہوتی ہے اور ہاتف خوشخبری دیتا ہے فرشتے ادب سے حاضر ہوتے ہیں اور آسمان سے نور کے طبق آتے ہیں اور پھولوں کی خوشبو سے آسمان زمین مہک اٹھتے ہیں۔ خوشنودی کا یہ آخری وقت ہے اور وہ اس دنیا سے چل بستی ہے یہ نظم بڑی پر کیف اور دل گداز ہے اور جس ڈھنگ سے شاہ صاحب نے ان خیالات کو ادا کیا وہ بہت پر اثر ہے۔

شاہ صاحب کا ایک تیسرا منظوم رسالہ بھی اسی قسم کا ہے خوش یا خوشی سوال کرتی ہے اور میراں جی جواب دیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس کا نام بھی خوش نغز ہے اس میں تہتر اشعار ہیں لیکن اسے نو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے جن میں عرفان و روح، مراقبہ، عقل و عشق کرامات، موحد و ملحد جیسے مضامین پر بحث کی ہے۔

ایک چوتھا رسالہ شرح مرغوب القلوب ہے جو نثر میں ہے اور حضرت میرانجی ہی کی تصنیف بتایا جاتا ہے اس میں دس باب ہیں جن میں توبہ طریقت حقیقت، شریعت، وضو، دنیا، ترک دنیا، تجرید و تفرید، عشق معشوق، فنا بقا اور سفر پر بحث ہے۔

آپ کے چند اور رسائل حسب ذیل ہیں ۔ ۱) گنج عرفان[1]۔ ۲) بشارت الذکر۔ ۳) مغز مرغوب۔ ۴) چہار شہادت۔ ۵) شکار نامہ اور ۶) جام معرفت

---

[1] اُردو کی ابتدائی نشو نما میں صوفیائے کرام کا کام

حضرت شاہ برہان الدین

حضرت شاہ برہان الدین نام اور جانم تخلص۔ آپ حضرت شاہ میراں جی کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ آپ کی پیدائش اور تاریخ وفات پر اختلاف ہے موجودہ تحقیق کے مطابق آپ کی ولادت کی تاریخ 884ھ یا886ھ مانی گئی ہے اور وفات 1007ھ بیجاپور میں روضہ مبارک موجود ہے۔ والد کے مقبرہ میں دفن کیے گئے آپ کی جملہ 24 تصانیف کا پتہ چلتا ہے۔

نثری تصانیف: ۱) کلمۃ الحقائق۔ ۲) مقصود ابتدائی۔ ۳) ذکر جلی۔ ۴) کلمۃ الاسرار۔ ۵) معرفت القلوب۔ ۶) ہشت مسائل۔ ۷) رسالہ تصوف۔ ۸) اربعہ طریق

منظوم تصانیف: ۱) ارشاد نامہ۔ ۲) منفعت الایمان۔ ۳) سکھ سہیلا۔ ۴) حجۃ البقاء۔ ۵) نسیم الکلام۔ ۶) رموز الواصلین۔ ۷) وصیت الہادی۔ ۸) نکتہ واحد۔ ۹) کفرنامہ۔ ۱۰) پنج گنج یا پنج ذکر۔ ۱۱) گفتار برہان۔ ۱۲) کتاب عبرت آدم۔ ۱۳) مسافرت خان میاں و بیان خلاصہ۔ ۱۴) توحید حقیقت۔ ۱۵) بشارت الذکر۔ ۱۶) وصف مرشد[1]

آپ کی تصانیف یا بقہ جانم میں کلمۃ الحقائق دکنی نثر کی اولین کتاب مانی جاتی ہے جو وجہی کی سب رس سے تقریباً ۵۰ سال قبل تصنیف ہوئی۔ تصوف کے نکات کو سوال وجواب کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ یہی انداز ارشاد نامہ کا ہے لیکن منظوم جس میں ڈھائی ہزار اشعار ہیں مرید سوال کرتا ہے اور مرشد جواب دیتے ہیں۔ شاید یہ اسلوب اپنے والد کے تصانیف خوش نامہ و خوش نغز سے اخذ کیا گیا ہے۔

برہان الدین جانم کی مذکورہ کتابوں میں منفعت الایمان، حجت البقاء، بشارت الذکر، وصیت الہادی اور سکھ سہیلا مشہور ہیں۔

جانم کی دو خدمات قابل ذکر ہیں ایک تو یہ کہ انہوں نے تصوف کے فلسفہ وجود کو مرتب کر کے اسے ایک باقاعدہ شکل دی اور آب آتش خاک باد کے تعلق سے وجود کا مطالبہ کر کے اس کے

---

[1] بیجاپور کی اُردو مثنویاں

چار مدارج واجب الوجود ممکن الوجود ممتنع الوجود اور عارف الوجود مقرر کیے۔ دوسری یہ کہ تصوف واخلاق اور شریعت وطریقت کو اپنی تصانیف نظم ونثر کے ذریعہ پیش کیا۔ ان دوہری خدمات نے برہان الدین جانم کی شخصیت کو اہم بنا دیا[1]۔

اس خاندان کی علمی ادبی خدمات کا سلسلہ صدیوں جاری رہا۔ شاہ میراں جی شمس العشاق پہلے شاعر ہیں پھر جانم اور ان کے بیٹے شاہ امین الدین اعلیٰ نے یہ سلسلہ جاری رکھا۔ ان کے فرزند بابا شاہ امین کے پوتے شاہ علی پیر پاشا حسینی کے بعد تراب علی شاہ نے اعلیٰ پایہ کی شاعری کی۔ شاہ تراب کا دیوان شائع ہو چکا ہے ان کی مثنویاں بھی خوب مشہور ہوئیں۔ شاہ برہان الدین جانم کی مثنوی ارشاد نامہ بھی شائع ہو چکی ہے۔ کلمۃ الحقائق اور ارشاد نامہ دونوں کو محمد اکبر الدین صدیقی نے مرتب کیا ہے[2]۔

اس خاندان کے علاوہ حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری وسید شاہ مصطفیٰ قادری بیجاپوری کا تذکرہ بھی ملتا ہے جس کا نام صحیفہ اہلِ ہدیٰ جس کو سید محی الدین ابن سید محمد قادری نے مرتب کیا ہے اس کو حضرت ابوالحسن ثانی کی کتاب صحیفۃ الہدیٰ[3] کا تکملہ سمجھنا چاہئے۔ اہلِ ہدیٰ کا تکملہ ان کے پوتے سید عبدالرزاق نے کیا دراصل یہ کتاب فارسی میں تھی اس کا اُردو ترجمہ محمد اکبر الدین صدیقی نے 1966ء میں شائع کیا۔ اس کتاب میں خاندان کے جو اعلیٰ حضرت سید شاہ ابوالحسن قادری کے حالات تفصیل سے ہیں لیکن ان کی شعر وشاعری کے بارے میں کچھ نہیں لکھا گیا حالانکہ آپ کی دو نظموں کا پتہ چلا ہے ایک مثنوی کا نام "سکھ انجن" ہے جس کے دو نسخے ادارہ ادبیات اُردو کے کتب خانہ میں موجود ہیں اور دوسری نظم بہت مختصر ہے کتب خانہ گچی محل میں موجود ہے دونوں کا موضوع تصوف ہے۔

اس صحیفہ میں جن بزرگوں کا ذکر ہے پتہ نہیں ان میں کون کون حضرات شاعر اور ادیب تھے اس صحیفہ کو ایک مقدمہ سات فصلوں اور خاتمہ پر مرتب کیا گیا ہے۔ مقدمہ میں ان اولیاء کبار اور مشائخین

---

[1] جمیل جالبی تاریخ ادب اُردو

[2] قدیم اُردو نظم مرتبہ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم ۱۷ تا ۱۹

[3] یہ کتاب روضۃ اولیاء بیجاپور، واقعات مملکت بیجاپور، تذکرہ اولیائے دکن اور تاریخ دکن کا ماخذ رہی ہے۔

عالی تبار کی تعداد اور اسماء کا ذکر ہے جو بیجاپور کے سواد کرامت آمود میں آسودہ ہیں۔ پھر اس خاندان کے بزرگوں کا ذکر سات فصلوں میں کیا گیا ہے۔ اور خاتمہ میں ذکر تواریخ وسنین جلوس ورحلت، سلاطین بیجاپور اور ابتدائے آبادی سے شہر ویران ہونے تک کے واقعات درج ہیں۔ ہم یہاں مقدمہ سے ان اولیائے کبار اور مشائخین عالی تبار کو اخذ کر رہے ہیں جو بیجاپور اور اس کے اطراف واکناف میں آسودہ ہیں۔

جو سادات اور مشائخین، مشہور علماء اور متقی بزرگان دین جو ولایت اور کمالت کی صفت سے متصف ہیں انہوں نے اپنے گراں قدر وجود سے اس خطہ پاک کو ہرات وبغداد کے مماثل بنادیا ہے اور اس قدر زیادہ تعداد میں ہیں کہ ان کے اسماء گرامی کا اظہار ناممکن ہے۔ لیکن ان میں سے بعض مشاہیر اور اکمل اولیا متقدمین ومتاخرین کے جو اسمائے مبارکہ حضرت سید ابی الحسن الثانی نبیرہ قطب الاقطاب حضرت شاہ ابوالحسن قادری نے ماہ رجب 1096ھ میں کامل تحقیق کے ساتھ جمع کئے انہیں یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

وہ اصحاب کبار جو اندرون حصار بیجاپور آسودہ اور مرجع خلاق ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱) آثار حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت شیخ محمد معبری کھنڈایت۔ ۲) مخدوم شیخ عین الدین گنج العلوم۔ ۳) سلطان پیر غزنوی۔ ۴) شاہ حافظ حسینی۔ ۵) حاجی رومی۔ ۶) پیر نصر اللہ۔ ۷) حضرت شاہ ہاشم۔ ۸) شاہ برہان۔ ۹) میاں عبدالفتاح عاشق مراد۔ ۱۰) خلیفہ جی شاہ حیدر نجفی۔ ۱۱) حضرت سید علی بنگالی۔ ۱۲) قلندر علی۔ ۱۳) حضرت شاہ قاسم۔ ۱۴) پیر مقصود۔ ۱۵) پیر بھڑ ابھڑ۔ ۱۶) شیخ محمد سراج جنیدی۔ ۱۷) شاہ حضرت حسینی۔ ۱۸) میاں داول جی۔ ۱۹) خواجہ معین الدین پیر مٹھے۔ ۲۰) علی شہید۔ ۲۱) پیر باباجی شہید۔ ۲۲) شاہ عبدالسلام شطاری۔ ۲۳) خواجہ عبدالرحیم۔ ۲۴) شیخ کمال قادری شیخ میاں شید۔ ۲۵) حضرت شیخ حمید الدین۔ ۲۶) حضرت شیخ لطف اللہ۔ ۲۷) حضرت شیخ عبدالصمد بزرگ۔ ۲۸) شیخ عبدالصمد خورد۔ ۲۹) سید مصطفیٰ۔ ۳۰) فرید شاہ۔ ۳۱) حضرت شاہ

عبدالرزاق۔ ۳۲) حضرت شاہ اسماعیل۔ ۳۳) میر بغدل مجذوب۔ ۳۴) لعل خاں لکڑ مجذوب۔ ۳۵) سیدہ یتیم المعروف بہ حضرت بی بی قادریہ۔ ۳۶) شیخ احمد برقعہ پوش۔ ۳۷) سید عبداللہ کھجڑی۔ ۳۸) سید جعفر سقاف عرب۔ ۳۹) سید جعفر پیر شاہ۔ ۴۰) سید محمد تعظیم ترک۔ ۴۱) سید مغربی۔ ۴۲) عبدالعلی مشائخ۔ ۴۳) شیخ منصور۔ ۴۴) ملا محمد زبیری۔ ۴۵) قاضی ابراہیم زبیری۔ ۴۶) شاہ بھائی النگی مجذوب۔ ۴۷) شاہ محمود بخاری مجذوب۔ ۴۸) سید منجن بخاری مجذوب۔ ۴۹) بفت شہید۔ ۵۰) شیخ عبدالعلی۔ ۵۱) بچا بی بی۔ ۵۲) شاہ ابوالعالی جیونپوری۔ ۵۳) حاجی فتح اللہ نوری۔ ۵۴) شیخ عبد الطیف بن خوب محمد۔ ۵۵) سید محمد توکلی۔ ۵۶) سید ابو بکر عرب۔ ۵۷) بی بی صاحبہ چاہ۔ ۵۸) میر قاسم ٹرماری۔ ۵۹) شاہ عبدالعزیز قادری۔ ۶۰) شاہ خاکی مجذوب۔ ۶۱) شیخ زین الدین۔ ۶۲) سید احمد نظیر۔ ۶۳) قاضی عسکر قاضی حنیف اللہ۔ ۶۴) پیر جمنا۔ ۶۵) پیر بودے۔ ۶۶) شاہ داؤد قاخانی۔ ۶۷) شاہ محمد مجذوب نوباغ۔ ۶۸) پیر بالے۔ ۶۹) شاہ نورالدین صفوی۔ ۷۰) شیخ جمال محمد قادری۔ ۷۱) خلیفہ سید شاہ عبدالقادر قادری بن عارف باصفا سید شاہ مصطفیٰ قادری۔ ۷۲) شاہ لنگی۔ ۷۳) سید محمد بخاری عزیز وفا خانی۔ ۷۴) غالب شاہ۔ ۷۵) خضر شاہ۔ ۷۶) سید محمد بخاری علی باغ۔ ۷۷) سید عبدالرحمان عیدروس۔ ۷۸) شاہ عثمان مجذوب۔ ۷۹) شاہ توکل مجذوب۔ ۸۰) شاہ باز حسینی۔ ۸۱) شاہ عبدالحمد مجذوب۔ ۸۲) شاہ لاڑ محمد مجذوب۔ ۸۳) بی بی فتح شاہ۔ ۸۴) ہمشیرہ شاہ لنگی۔ ۸۵) شاہ باواجی۔ ۸۶) سید محمد۔ ۸۷) سید قطب۔ ۸۸) سید اوتالے۔ ۸۹) سید تجب۔ ۹۰) صاحبنی صاحبہ۔ ۹۱) عامر صاحبہ۔

وہ حضرات جو دروازہ زہرہ پور بیرون حصار بیجاپور آسودہ ہیں

۱) شاہ عبدالواحد چشتی۔ ۲) ملا عبدالرحمٰن بھوری۔ ۳) پیر علی شاہ۔ ۴) شاہ ہدایت اللہ حسینی۔ ۵) شاہ نوراللہ قادری۔ ۶) شاہ عبدالطیف قادری۔ ۷) شاہ عتیق اللہ قادری۔ ۸) حاجی نعمت اللہ۔ ۹) شاہ حسن۔ ۱۰) شریف موجود۔ ۱۱) میاں بھولا فقیر۔ ۱۲) قاضی عبدالوہاب۔ ۱۳) ملا حبیب اللہ شہر استاد۔ ۱۴) شیخ اسمٰعیل محدث۔ ۱۵) راجی لوشتی۔ ۱۶) سید عابد۔ ۱۷) میاں تاج محمد۔ ۱۸) میاں شیخ الحق

بحر الاسرار۔ ۱۹)سید عبدالرحمان قادری۔ ۲۰)شاہ عبدالغنی قادری۔ ۲۱)شاہ علاالحق۔ ۲۲)شیخ یوسف میاں شریف شاخ شجرہ۔ ۲۳)جنید ثانی۔ ۲۴)شیخ نظام نارنولی۔ ۲۵)سید احمد قادری۔ ۲۶)حضرت بی بی شمس بنت میر عبدالاول۔ ۲۷)حضرت شاہ محمود۔ ۲۸)شاہ حسن فخر آبادی۔ ۲۹)سید احمد کربلائی۔ ۳۰)شیخ عبدالستار۔ ۳۱)میاں رحیم محمد زبیری۔ ۳۲)شاہ مرتضی بن ہاشم علوی۔ ۳۳)قاضی شاہ۔ ۳۴)درویش محمد جواں مرد۔ ۳۵)عبدالقادر علی خاں۔ ۳۶)آثاری۔ ۳۷)شاہ ابوطالب حسینی۔ ۳۸)قاضی عبدالقادر ولد قاضی علی۔ ۳۹)محمد حسین خطیب بادشاہ پور۔ ۴۰)محمد شریف۔ ۴۱)سید علی محمد لاہوری۔ ۴۲)قاضی زین العابدین۔ ۴۳)شیخ ابو محمد مثنوی خواں۔ ۴۴)قاضی محمد امین۔ ۴۵)سید علی از اولاد شاہ چندا۔ ۴۶)مشاہ بڑے۔ ۴۷)امینہ شاہ۔ ۴۸)فتح خاں مجذوب۔ ۴۹)شاہ نورالدین محمد۔ ۵۰)باوا پرنکھا۔ ۵۱)شاہ چنگی۔

وہ حضرات جو دروازہ شاہ پور سے قریب بیرون حصار بیجاپور استراحت فرما ہیں

۱)میاں سید مجذوب۔ ۲)سید مصطفیٰ حسینی۔ ۳)میاں خاکسار۔ ۴)میاں داؤد۔ ۵)میاں شاہ محبت۔ ۶)سید میراں شہید۔ ۷)مست علی۔ ۸)غلام علی۔ ۹)میاں محمود۔ ۱۰)میاں بنگالی فقیر۔ ۱۱)شیخ محمود خوش دہاں۔ ۱۲)شاہ سفیر اللہ المشہور شاہ بندگی حسینی۔ ۱۳)شاہ میراں جی۔ ۱۴)شاہ برہان الدین۔ ۱۵)شاہ امین الدین۔ ۱۶)ملا ملک۔ ۱۷)ملا ظہور۔ ۱۸)شاہ غنی۔ ۱۹)شاہ شریف ریگ ریزاں۔ ۲۰)میاں بنگالی مجذوب۔ ۲۱)سید نور محمد قادری۔ ۲۲)عرض لنگ۔ ۲۳)شاہ علی حقانی۔ ۲۴)فتح خاں راست گو۔ ۲۵)شاہ محمد مکی خطیب مسجد جامع۔ ۲۶)قاضی سعید۔

وہ حضرات جو دروازہ دیانت پور مشہور بہ بہمن پلی بیرون حصار آرام کر رہے ہیں۔

۱)سید محمد بخاری۔ ۲)سید عظمت پٹھانی۔ ۳)شاہ مصطفیٰ بن شاہ ہاشم علوی۔ ۴)شاہ حبیب توشہ باز والد میاں راز محمد شاہ جمال پنج غسلی۔ ۵)سید احمد زین۔ ۶)شاہ باقر ذاکر۔ ۷)ملا محمد زبیری بزرگ۔

وہ حضرات جو دروازہ اعلیٰ پور بیرون حصار بیجاپور آسودہ ہیں

۱)حضرت میراں شاہ ابوالحسن قادری۔ ۲)میراں شاہ مصطفیٰ قادری۔ ۳)سید عبدالقادر بن شاہ مصطفیٰ۔ ۴)شاہ نعمت اللہ بن شاہ ابوالحسن قادری۔ ۵)سید میراں۔ ۶)خوندا ولیا۔ ۷)قاضی سید علی محمد۔ ۸)راجی ہاشمیہ۔ ۹)شاہ ابوالقاسم۔ ۱۰)میراں صاحب بزرگ میراں صاحب خورد۔ ۱۱)شاہ قطب۔ ۱۲)شاہ محمد۔ ۱۳)شاہ محی الدین۔ ۱۴)سید نور اللہ۔ ۱۵)سید احمد۔ ۱۶)سید اسماعیل۔ ۱۷)سید لطیف۔ ۱۸)صاحبہ راجی۔ ۱۹)امۃ السلام۔ ۲۰)امۃ الحفیظ۔ ۲۱)امۃ المجید۔ ۲۲)اچھو صاحبہ۔ ۲۳)سید محمود۔ ۲۴)بی بی عائشہ۔ ۲۵)سید جعفر قادری۔ ۲۶)سیدی عنبر مجذوب۔ ۲۷)شیخ یوسف۔ ۲۸)شیخ حسین۔ ۲۹)فقیر سیاح۔ ۳۰)حافظ علی۔ ۳۱)حضرت شیخ علیم اللہ محدث۔ ۳۲)شیخ ابوالمعالی۔ ۳۳)حضرت میاں تراب۔ ۳۴)میاں فیضو۔ ۳۵)بادشاہ صاحب مجذوب۔ ۳۶)شاہ بھائی۔ ۳۷)مخدوم صاحب۔ ۳۸)شاہ قاسم مجذوب۔ ۳۹)مٹھے سوداگر۔ ۴۰)شیخ سلطان خوش نویس۔ ۴۱)شاہ موسی قادری۔ ۴۲)شاہ لعل شہید فیل۔ ۴۳)شاہ مظفر رفاعی۔ ۴۴)پیر مٹھے فتح پوری۔ ۴۵)شاہ محمد خلیل اللہ۔ ۴۶)سید احمد والد سید منجن۔ ۴۷)سدی عنبر جبیزی۔ ۴۸)سید لطیف۔ ۴۹)راجہ جی صاحبہ۔ ۵۰)بڑی صاحبہ۔

VISMAYA BIJAPURA By Dr. Krishnakolhara Kulkarni. Translated by Prof. Mohammed Sibghatulla in Urdu Entitled Rehnuma-e-Bijapur.

Title	:	***Rehnuma-e-Bijapur***
Author	:	*Dr. Krishnakolhara Kulkarni*
Translated by	:	*Prof. Mohammed Sibghatulla*
No. of Copies	:	*1000*
Year of Publication	:	*2000*
Price	:	*Rs. 55/-*
Pages	:	*60+4*
Computerised by	:	*Md. Mateenuddin Nadwi*
Printed at	:	*M/s. Span Printers, Bangalore.*
Published by	:	***Hamid A. Safi*** *Registrar, Karnataka Urdu Academy, No. 14/3, Canara Finance Corporation Complex, Nrupatunga Road, Banglore-560 001*

وہ حضرات جو بیرون حصار بیجاپور دروازہ ابراہیم پور کی طرف آرام فرما ہیں۔

۱)حضرت میراں شاہ مرتضیٰ قادری۔ ۲)شاہ صوفی۔ ۳)شاہ توکلی۔ ۴)شاہ حسین۔ ۵)حافظ عبد القادر۔ ۶) میر زین الدین علی۔ ۷)میاں حاجی ذاکر۔ ۸)میر آثار۔ ۹)مرزا مرثیہ خوانِ امام حسین شہید۔ ۱۰)میاں حمزہ فقیر۔ ۱۱)شاہ بہادر۔ ۱۲)باوا ریلوک مجذوب۔ ۱۳) ستی حریرہ۔ ۱۴)مرزا عنایت اللہ۔ ۱۵)حیدر آقا۔ ۱۶) مقصود آقا۔ ۱۷)حاجی مبارک۔ ۱۸)حاجی سیدو۔ ۱۹)شیخ صلاح۔ ۲۰)سید عماد حالتی۔ ۲۱)میاں خوب محمد۔ ۲۲)سید فرید۔ ۲۳)سید وجیہ ذاکر۔ ۲۴)میاں عبد الرحیم ذاکر۔ ۲۵)میاں بامشائخ۔ ۲۶)شیخ محی الدین واعظ۔ ۲۷)عبد الرحمٰن متقی۔ ۲۸)شیخ احمد مدرس۔ ۲۹)سید عبد الرحمٰن۔ ۳۰)سید چاند محمد۔ ۳۱)ابراہیم خان اللہ بخش۔ ۳۲)عزیز شاہ۔ ۳۳)شیخ سلیمان۔ ۳۴) قاضی عبداللہ۔ ۳۵)شاہ ہدایت اللہ صفی۔ ۳۶)شاہ صبغۃ اللہ مجذوب۔

وہ حضرات جو دروازہ سارواڑ کی طرف بیرون حصار بیجاپور آسودہ ہیں

۱)شیخ حسن رضا سرمست۔ ۲)شیخ ابو الوفا سرمست۔ ۳)شیخ ابو القاسم سرمست۔ ۴)شیخ عبد العزیز سرمست۔ ۵)سید احمد سپاہ انگیز۔ ۶)شیخ عبد القادر سرمست شاہ ابو العلی عرف منجھلے شاہ بزرگ۔ ۷)شاہ حضرت تھانہ دار۔ ۸)شاہ میر نابیا۔ ۹)شاہ ابراہیم بزرگ۔ ۱۰)سید احمد عیدروس۔ ۱۱)سید احمد نظیر۔ ۱۲)سید عبداللہ بردم و جمیع سادات عرب۔ ۱۳)سدی ساپا آثاری۔ ۱۴)شیخ احمد برقعے۔ ۱۵)میانہ عبدالرحمٰن متقی خورد۔

مذکورہ بالا تذکرہ میں مرتبین اندرون و بیرون حصار میں آسودہ اولیائے کرام و مشائخین و علماء کی نشاندہی کی ہے ان کی تعداد 277 ہوتی ہے۔ ظاہر ہے ان دنوں کی آبادی جو چند لاکھ عوام پر منحصر تھی ان کی رشد و ہدایت میں یہ لوگ دن رات لگے رہے۔ انہیں کا فیض ہے کہ آج اہل قلم اور متعدد مشائخین و خلفاء و اولیائے عظام ہجرت کر کے ملک کے مختلف حصوں میں پہنچے اور آج تک ان کے خاندان والے ملک کے مختلف حصوں میں موجود ہیں اور اپنے اپنے سلاسل کو آگے بڑھا رہے ہیں۔